Iḥyā ʾal ʿulūm, Vol.:22, Issue,1: Jan-Jun 2022
PP: 156-192

OPEN ACCESS
Iḥyā ʾal ʿulūm
ISSN (Online): 2663-6263
ISSN (Print): 2663-625
www.joqs-uok..com

فقہ اسلامی میں خلع کی حقیقت اور خاوند کی رضامندی کی حیثیت
(معاصر اہل علم کی آراء کا تحقیقی جائزہ)

The Concept of *Khula'* in Fiqh and the Status of Husband's Consent (Shariah analysis of contemporary scholars' views)

Dr Abdul Karim Usman
Assistant Professor,Faculty of Shariah and Law,International IslamicUniversity,Islamabad

Abstract:
Islamic teachings always encourage reconciliation, through negotiated settlements between the spouses themselves or the use of arbitrators from their families in case of disagreement between them. However, when it is not possible "to retain in honor إمساك بمعروف", there must be "a peaceful parting /تسريح بإحسان (released in kindness)". Accordingly, the Qur'an deals with divorce as something lawful and not worthy of praise. Sometimes the situation gets very critical and bad when the husband is not agree to divorce the wife at her request. In that case mostly in Pakistan the wife or his family sues the husband and thus the court issues the degree for separation between husband and wife e on basis of *Khula'* (خلع).The contemporary Muslim scholars have two opinions in this regard: According to majority of four famous schools of thought (Hanafi, Malki, Shafa'i and Hanbali), the husband's consent is obligatory and compulsory in the implementation of this Khula'. But few modern scholars are of the opinion that *Khula'* occurs even without the husband's consent when the woman requests the separation.This study analyses the opinions of scholars who emphasized that husband's consent for Khula' is not compulsory and statutory. This analysis examines the comprehensiveness and accuracy of the justifications given by these scholars, and a second opinion may be obtained in this regard.
Keywords: *Khula', Judicial Khala', separation through court, divorce.*

CC BY

تمہید:

انسان کی ایک بنیادی ضرورت اور فطرتی تقاضے کی تکمیل ، ذہنی آسودگی کے حصول اور صحت مند انسانی معاشرہ کے قیام کیلئے شریعت اسلامیہ میں نکاح کا نظام قائم کیا گیا ہے، نکاح میاں بیوی کے درمیان نہ صرف ایک معاہدہ ہے بلکہ عبادت بھی ہے، اور جس قدر یہ معاہدہ پائیدار، لازوال اور مستقل ہوگا، اسی قدر نکاح کے اصلی اور حقیقی مقاصد حاصل ہونگے، اور یہ معاہدہ صرف قانونی نوعیت کا نہیں، بلکہ میاں بیوی کے درمیان انجام پانے والا قابل احترام سمجھوتہ اور محبت کا ایک بندھن ہے، جسکے ذریعہ اک نئی خاندانی اور معاشرتی زندگی کا آغاز ہوتا ہے ، اور دو اجنبی مرد و عورت ایک ساتھ محبت و مودت، باہمی اعتماد و سکون کی فضا میں زندگی گزارنے لگتے ہیں، اسلام نے اس تعلق و ملاپ کو اللہ تعالی کی نشانیوں میں سے اک نشانی قرار دیا ہے، اور بیوی کو خاوند کیلئے چین و سکون کا ذریعہ بتلایا ہے، اور اس تعلق کو قائم و دائم رکھنے کیلئے بلا کسی معقول اور شرعی وجہ کے طلاق دینے سے منع کیا ہے[1]

شریعت کا منشا یہ ہے کہ یہ معاہدہ دائمی ہو اور اسے ختم کرنے کی نوبت نہ آئے اور جتنے عوامل و اسباب اس میں رخنہ ڈال سکتے ہیں ان کے سد باب کی کوششیں اور طریقے بتلائے گئے ہیں، کہ اگر اس تعلق کے انقطاع کی صورت پیدا ہونے لگے تو پہلے مرحلہ میں تو سمجھا بجھا کر معاملہ کو رفع دفع کر دیں، ضرورت پڑے تو کچھ زجر و تنبیہ سے معاملہ کو سلجھا لیں اور اگر وہ بھی مؤثر نہ ہو تو پھر ثالثی کے ذریعہ مصالحت کی فکر و سعی کریں، مطلب یہ ہے کہ حتی الامکان اس عقد کو نباہنے اور ختم ہونے سے بچانے کی انفرادی و اجتماعی سطح پر کوششوں کی تعلیم دی گئی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے :

"وَإِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوا حَكَمًا مِنْ أَهْلِهِ وَحَكَمًا مِنْ أَهْلِهَا إِنْ يُرِيدَا إِصْلَاحًا يُوَفِّقِ اللَّهُ بَيْنَهُمَا إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا خَبِيرًا" [2].

"اگر تمہیں میاں بیوی کے درمیان پھوٹ پڑ جانے کا اندیشہ ہو تو ایک ثالث شوہر کے گھر والوں میں سے اور ایک بیوی کے گھر والوں میں سے بھیجو، اگر وہ دونوں اصلاح چاہیں گے تو اللہ ان کے درمیان بھلائی کی توفیق دے دیگا"

لیکن صلح و نباہ کی تمام کوششوں کے باوجود اگر صورت حال اس قدر بگڑ چکی ہو کہ دونوں میں باہم موافقت کی کوئی صورت نہ نظر آ رہی ہو تو پھر اس عقد کو زبردستی قائم کیے رکھنا نہ صرف منشا شریعت و حکمت کے خلاف ہے، بلکہ ظلم و زیادتی بھی ہے، اس صورتحال میں شریعت کا اصولی حکم تو یہ ہے کہ خاوند اس مصلحت کو مد نظر رکھتے ہوئے بیوی کو خود ایک طلاق دے دے اور اس تعلق کو ختم کر کے زندگی میں پیدا شدہ روز روز کی پیچیدگیوں اور مشکلات کو ختم کرنے کی کوشش کرے، اور دونوں ایک دوسرے سے راستے جدا کر لیں، یعنی امساک بمعروف -رکھنا ہو تو اچھے طریقے سے- کرے یا پھر تسریح باحسان –چھوڑنا ہو تو وہ بھی احسان کے رویے کے ساتھ- پر عمل کرے۔[3]

اگر خاوند بیوی کو طلاق نہیں دیتا، اور بدستور حالات ایسے ہی ہیں کہ دونوں کا اکٹھے رہنا حدود اللہ کو قائم کرنے اور ازدواجی زندگی کے شرعی و معاشرتی مقاصد کو پورا کرنے میں روکاٹ بن چکا ہے تو پھر خاندان کے بڑے یا عدالت ان اسباب ووجوہات کو معلوم کرے، جن کی وجہ سے دونوں کا اکٹھے رہنا ممکن نہیں رہا، اور پھر ان کو سامنے رکھتے ہوئے خلع یا تفریق کا فیصلہ کرے۔ لیکن بسا اوقات ہوتا یہ ہے کہ خاوند طلاق دینے پر آمادہ نہیں ہوتا اور بیوی از خود یا اسکے خاندان والے اسے خاوند کے گھر بھیجنے اور اسے بسانے کے لئے تیار نہیں ہوتے، اس صورت حال کے پیش نظر عورت کی طرف سے عدالت کی طرف رجوع کیا جاتا ہے اور خلع کی درخواست جمع کروائی جاتی ہے، فیملی کورٹس خاوند کو نوٹس بھیجتی ہیں اور خاوند کو محض دو تین مرتبہ سمن بھجوانے کے بعد کیس کی پیروی نہ کرنے کی صورت میں یا (کیس کی پیروی کرنے کی صورت میں بھی) دو تین پیشیوں کے بعد عدالت یک طرفہ طور پر کاروائی کرکے عورت کی درخواست و شکایت کی بنیاد پر خلع کی ڈگری جاری کر دیتی ہیں۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ شرعی طور پر خلع کی بنیاد پر عدالتی تفریق کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ اور اس صورت میں عدالتیں جو یک طرفہ کاروائی کرکے تفریق کرتی ہیں وہ شرعاً تفریق کی بنیاد بن سکتی ہے اور عورت عدت مکمل کرکے دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے یا نہیں؟۔

اس تحریر میں پیش نظر خلع کے حوالے سے جملہ احکام سے متعلق گفتگو نہیں ہے، بلکہ خلع سے متعلق قرآن وسنت کی روشنی میں اس حوالے سے غور وفکر کے نتائج پیش کرنا ہے کہ خلع کے اجراء میں شرعی نقطہ نظر سے عدالت کا کیا کردار ہے؟ اور خلع میں خاوند کی رضا مندی کی کیا حیثیت ہے؟ اور یہ کہ خاوند کی رضامندی کے بغیر بھی خلع ہو سکتا ہے یا نہیں، مزید یہ کہ اگر خاوند عورت کے حقوق واجبہ کی ادائیگی بھی نہ کرے، بلکہ شدید مار پیٹ کرے اور خلع دینے پر رضامند بھی نہ ہو تو اس صورت میں عورتوں کی مشکلات کا شرعی حل کیا ہے؟۔

خلع کی تعریف:

خلع عربی کا لفظ ہے جس کا لغوی معنی ہے جدا کرنا، علیحدہ کرنا یا دور کرنا وغیرہ، چونکہ میاں بیوی عقد نکاح کی وجہ سے ایک بندھن میں ایسے بندھے ہوے ہوتے ہیں، گویا ایک دوسرے کا لباس ہوتے ہیں، تو جب خاوند' بیوی کے مال دینے کی پیش کش پر اس سے علاقہ زوجیت ختم کرتا ہے تو گویا کہ وہ لباس زوجیت کو جدا اور علیحدہ کر دیتا ہے، اس وجہ سے عورت کے مال دینے کے بدلے میں مرد کے طلاق دینے کے معاملہ کو ''خلع'' کہا جاتا ہے، چنانچہ علامہ جوہری بیان کرتے ہیں:

خلع ثوبه و نعله و قائده خلعاً و خلع عليه خلعاً و خالع امرأته خلعاً بالضم-----

وخالعت المرأة بعلها: أرادته على طلاقها ببذل منهاله فهى خالع [4]-

علامہ ابن منظور لکھتے ہیں:

وخلع امرأته خلعاً (بالضم) وخلاعا فاختلعت و خالعته أى أ زالها عن نفسه وطلقها على بذل منها فهى خالع ، والاسم الخلعة وقدتخالعا، واختلعت منه اختلاعاً فهى مختلعة ----- قال أبومنصور: خلع امرأته، وخالعها اذافتدت منه بمالها فطلقها --أهـ[5]

علامہ فیروزآبادی لکھتے ہیں:

وبالضم طلاق المرأة ببدل منها أومن غيرها كا لمخالعة و التخالع وقد اختلعت هى والاسم الخلعة، والخالع كل من المتخالعين---اهـ[6]

ان لغوی تعریفات میں غور کرنے سے واضح ہوا کہ یہ لفظ متعدی استعمال ہوتا ہے، جس کے لیے فاعل (خلع دینے والا) اور مفعول (جس کو خلع دیا جارہا ہے) دونوں کے ہونے سے "خلع" کی حقیقت ثابت ہوگی، لہذا خلع کے لیے "خالع" اور "مختلع" دونوں کا ہونا ضروری ہے، اسکے بغیر خلع کی حقیقت وجود میں نہیں آسکتی۔

خلع کی اصطلاحی تعریف:

خلع کی اصطلاحی تعریف فقہا کے نزدیک یہ ہے کہ خلع میاں بیوی کا وہ معاملہ ہے جس میں عورت کی طرف سے مال کی پیش کش ہوتی ہے اور خاوند اسکے عوض اسے آزادی دے دیتا ہے، چنانچہ اس سلسلہ میں فقہا کرام کی عبارات ملاحظہ ہوں۔

وهو أن تفتدى المرأة نفسهابمال ليخلعها به ، فاذافعلالز مها المال ووقعت تطليقة بائنة[7]-

ترجمہ: اور خلع یہ ہے کہ عورت اپنی جان کا فدیہ دے دے تاکہ وہ اس کے ذریعہ اپنے خاوند سے جدا ہو جائے، پس جب دونوں یہ معاملہ کرتے ہیں تو عورت کے ذمہ مال کی ادائیگی لازم ھو جاتی ہے اور طلاق بائن واقع ہو جاتی ہے۔

وفى الشرع أخذه المال بازاء ملك النكاح والأولىٰ قول بعضهم إزالة ملك النكاح بلفظ الخلع لاتحادجنسه مع المفهوم اللغوى۔[8]

"یعنی شرعی اعتبار سے خلع مرد کا ملک نکاح کے بدلے مال وصول کرنا ہے، اور بہتر بات وہ ہے جو بعض نے کہی ہے کہ (خلع) ملک نکاح کو لفظ خلع کے ساتھ ختم کرنے کا نام ہے، (اور یہ تعریف بہتر ہے) خلع کے لغوی مفہوم کے ساتھ یگانگت کی وجہ سے"۔

ان تعریفات سے واضح ہوا کہ خلع میاں بیوی کا وہ معاملہ ہے جس میں عورت کی طرف سے مال کی پیش کش ہوتی ہے، اور خاوند اس کے عوض میں اسے آزادی دیتا ہے۔

خلع کی ایک اہم شرط:

خلع کے درست ہونے کے لیے بہت سی شرائط ہیں جن میں سے موضوع تحریر کے لحاظ سے ایک اہم شرط جس کو علامہ کاسانی اور علامہ شامی اور بہت سے فقہا نے نقل کیا ہے، وہ خلع میں ایجاب و قبول ہے۔

چنانچہ علامہ کاسانی بیان فرماتے ہیں:

وامارکنه فهو الا يجاب والقبول، لأنه عقد على الطلاق بعوض فلاتقع الفرقة ولايستحق العوض بدون القبول الخ[9].

ترجمہ: خلع کا رکن ایجاب و قبول ہے، کیونکہ یہ معاوضہ لیکر طلاق دینے کا معاملہ ہے، لہذا جدائی اور عوض کا استحقاق دوسرے کے قبول کے بغیر نہیں ہوگا۔

اور علامہ شامی ردالمختار کی عبارت "و شرطه کا لطلاق " (اور خلع کی شرط وہی ہے جو طلاق کی ہے) کے تحت لکھتے ہیں:

وأمارکنه فهو کما فی البدائع: اذاکان بعوض الایجاب والقبول، ولأنه عقد على الطلاق بعوض فلا تقع الفرقة ولا يستحق العوض بدون القبول۔۔ أهـ[10].

ترجمہ: اور خلع کا رکن جبکہ وہ عوض لیکر ہو (بدائع کے مطابق) ایجاب و قبول ہے، اور یہ کہ وہ معاوضہ لے کر طلاق دینے کا معاملہ ہے، لہذا (دوسری جانب سے) قبول کے بغیر نہ تو تفریق ہو سکتی ہے اور نہ معاوضہ کا استحقاق۔

اس سے معلوم ہوا کہ فقہا کرام کے نزدیک خلع کے درست ہونے کے لیے زوجین کا ایجاب و قبول کرنا ضروری ہے، اور یہ کہ خلع بھی طلاق کی طرح خاوند کا عمل ہے یعنی جیسے طلاق دینے کا اختیار و اہلیت خاوند ہی رکھتا ہے ایسے ہی خلع کا اختیار بھی خاوند ہی کو ہوگا۔

علامہ ابن رشد مالکی بداية المجتهد میں لکھتے ہیں:

المسئلةالثالثة وأما مایر جع الى الحال اللتی یجو زفیها الخلع من اللتی لایجوز، فإن الجمهور على أ ن الخلع جائز مع التراضی اذا لم یکن سبب رضاها بما تعطیه إضراره بها ------الخ)[11]

ترجمہ: تیسرا مسئلہ ان صورتوں سے متعلق ہے جن میں خلع جائز ہے اور جن میں خلع جائز نہیں، تو جمہور کا موقف یہ ہے کہ

خلع زوجین کی باہمی رضامندی سے جائز ہوتا ہے، بشرطیکہ عورت کی طرف سے ادائیگی پر رضامندی کا سبب مرد کا اسے ضرر پہنچانا نہ ہو۔

پھر آگے لکھتے ہیں:

والفقه أن الفداء إنما جعل للمرأة في مقابلة مابيدالرجل من الطلاق --------الخ)[12]

یعنی کہ خلع کا شرعی مفہوم وحقیقت یہ ہے کہ عورت اپنے قبضے میں موجود مال دیکر وہ چیز لے جو مرد کے قبضہ میں ہے یعنی طلاق، اور یہ کہ طلاق چونکہ خاوند کا حق ہے، اور بیوی اس حق کو آزادی حاصل کرنے کے لیے مال دے کر استعمال کرواتی ہے اس لیے خلع کے درست ہونے کے لیے زوجین کی باہم رضامندی ضروری ہے۔

خلع اور قرآن کریم:

قرآن کریم میں خلع سے متعلق احکامات کا ذکر مندرجہ ذیل آیات میں ہے؛

وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَأْخُذُوا مِمَّا آتَيْتُمُوهُنَّ شَيْئًا إِلَّا أَنْ يَخَافَا أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ.[13]

ترجمہ: اور تمہارے لئے حلال نہیں ہے کہ تم اپنے دیئے ہوئے میں سے کچھ لے لو، مگر یہ کہ خاوند' بیوی کو اندیشہ ہو کہ وہ حدود اللہ قائم نہ رکھ سکیں گے، پھر اگر تم ڈرو اس بات سے کہ وہ حدود اللہ قائم نہ رکھ سکیں گے تو کوئی گناہ نہیں دونوں پر اس میں کہ عورت بدلہ دے کر اپنی جان چھڑا لے۔

فَإِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِنْهُ نَفْسًا فَكُلُوهُ هَنِيئًا مَرِيئًا[14]

ترجمہ: پھر اگر وہ عورتیں تم کو اس مہر میں سے کچھ اپنی رضامندی سے چھوڑ دیں تو تم اسکو کھاؤ خوشی خوشی۔

۳-وَإِنْ أَرَدْتُمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَكَانَ زَوْجٍ وَآتَيْتُمْ إِحْدَاهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَأْخُذُوا مِنْهُ شَيْئًا أَتَأْخُذُونَهُ بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُبِينًا[15]۔

"اور اگر بدلنا چاہو ایک عورت کی جگہ دوسری عورت کو اور تم دے چکے ہو ایک کو بہت سا مال تو مت واپس لو اسمیں سے کچھ بھی، کیا اسکو ناحق اور صریح گناہ سے لینا چاہتے ہو، اور کیسے لے سکتے ہو حالانکہ تم ایک دوسرے تک پہنچ چکے ہو اور وہ عورتیں تم سے پختہ عہد لے چکیں ہیں"۔

قرآن کریم کی ان مندرجہ بالا تینوں آیات میں خلع سے متعلق مختلف تعلیمات وہدایات ملتی ہیں، چونکہ ہمارا مقصود اس تحریر میں خلع کے تفصیلی اور مکمل احکامات کا بیان کرنا نہیں ہے، بلکہ ان آیات کا ذکر کر کے اس پہلو سے خلع کے باب کا مطالعہ کرنا ہے کہ شرعی طور پر خلع کے درست ہونے کے لیے کیا شرائط ہیں، اور کن حالات میں خلع ہو سکتا ہے اور خلع کا

دائرہ کار کیا ہے؟اور یہ کہ خلع زوجین کا ایک باہمی ذاتی معاملہ ہے یا اس میں عدالت کا بھی کردار ہے؟ اگر ہے تو کس حد تک؟ آئندہ سطور میں انہی نقاط پر روشنی ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں۔

آیت خلع میں فإن خفتم کا خطاب:

چونکہ سورۃ البقرۃ کی آیت نمبر ۲۲۹ خلع کے موضوع پر بنیاد کی حیثیت رکھتی ہے اور اسمیں خطاب کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے اب غور طلب امر یہ ہے کہ آیت میں فإن خفتم کا خطاب کس کو ہے؟اور اس خطاب کا خلع کے شرعی مفہوم و حقیقت پر کیا اثرات ہیں؟ ذیل میں ہم اسکا جائزہ لیتے ہیں۔

چنانچہ علامہ بغوی لکھتے ہیں:

قوله تعالىٰ: الا أن يخافا أى يعلما ألا يقيما حدود الله--- بضم الياء أى يعلم ذلک منهما يعنى يعلم القاضى و الولى ذلک من الزوجين، بدليل قوله تعالىٰ: فإن خفتم، فجعل الخوف لغير الزوجين ولم يقل فان خافا، وقرء الأ خرون يخافا بفتح الياء أى يعلم الزوجان من أنفسهما أ ن لا يقيما حدود الله ،تخاف المرأة أن تعصى الله فى أمرزوجها ، ويخاف الزوج اذالم تطعه امرأته أن يعتد عليها ، فنهى الله الرجل أن يأخذ من امرأته شيئاً مما أتاها إ لا أن يكون النشوزمن قبلها، فقالت: لا أطيع لک أمراً-- قال الله تعالىٰ: فإن خفتم ألا يقيما حدودالله فلاجناح عليها الخ أى فيما افتدت به المرأة نفسها منه ......الخ[16]

اس سلسلے کی مختلف عبارات کا خلاصہ یہ ہے کہ فإن خفتم کے خطاب کی تعیین میں مفسرین کے اقوال مختلف ہیں:

۱۔ یہ خطاب مسلمانوں کے امیروں اور حکام سے ہے۔

۲۔ یہ خطاب ان افراد سے ہے جو فریقین کے درمیان مصالحت کے لیے کوشاں ہیں،یعنی متوسطین،ثالثی کا کردار ادا کرنے والے۔

۳۔ یہ خطاب شوہر اور بیوی کو ہے،اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ باتفاق مفسرین ولایحل لکم (جو خلع سے متعلق آیت کے شروع میں الفاظ آئے ہیں)اسمیں خطاب شوہروں کو ہے،اس کا تقاضا یہ ہے کہ فإن خفتم کا خطاب بھی شوہر ،بیوی کو ہو۔[17]

فإن خفتم کا خطاب حکام سے قرار دینے کی صورت میں آیت کا مفہوم:

اب سوال یہ ہے کہ اگر اس بات کو راجح قرار دیدیا جائے جیسا کہ اکثر مفسرین کی رائے ہے کہ اس آیت میں فإن خفتم کا خطاب امراء وحکام کو ہے تو اس صورت میں آیت کا مطلب کیا ہوگا؟

مفسرین وفقہا کی عبارات میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت میں صرف اتنا کہا گیا ہے کہ اگر حکام اور زوجین کے درمیان ثالثی کرنے والے افراد یہ سمجھیں کہ زوجین حدود اللہ قائم نہیں رکھ سکیں گے تو زوجین کے لیے اس صورت میں خلع کر لینے میں کوئی گناہ نہیں ہے، اس آیت مبارکہ سے یہ بات کسی طرح سے بھی واضح یا معلوم نہیں ہوتی کہ زوجین میں سے کسی ایک کو خلع پر جبر واکرہ کے ذریعہ آمادہ کیا جا سکتا ہے، اور حکمران یا اہل اختیار اپنے حکم واختیار کو استعمال کر کے خلع کر سکتے ہیں۔ چنانچہ آئندہ ذکر کی جانے والی عبارات سے اسی بات کی تائید ہوتی ہے ۔

علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں؛

(تحت قوله تعالىٰ: فان خفتم ألايقيما حدودالله الخ) قال: فجعل الخوف لغير الزوجين، ولوأرادالزوجين لقال: فان خافا، وفى هذا حجة لمن جعل الخلع الى السلطان---- ولامعنى لهذا القول ، لان الرجل اذا خالع امرأته فانما هو على مايتراضيان به ولا يجبره السطان على ذلک ولا معنى لقول من قال هذا الى السلطان--- ولم يقل عزوجل: فلا جناح عليكم أن تأ خذواله منها فدية ، فيكون الخلع إلى السلطان---وكما جاز الطلاق والنكاح دون السلطان فكذلک الخلع وهو قولالجمهور منالعلماء---أه[18].

(خط کشیدہ عبارت کا ترجمہ) کیونکہ خاوند جب اپنی بیوی سے خلع کرتا ہے تو یہ ان دونوں کی باہمی رضامندی سے ہی ہوتا ہے اور حاکم خاوند کو خلع کرنے پر مجبور نہیں کر سکتا---اور جیسے طلاق اور نکاح حاکم کے بغیر ہو سکتا ہے ایسے ہی خلع بھی (حاکم کے بغیر) ہو سکتا ہے، اور یہی جمہور علماء کا موقف ہے۔

علامہ ابو بکر جصاصؒ لکھتے ہیں :

وَلَا خِلَافَ بَيْنَ فُقَهَاءِ الْأَمْصَارِ فِي جَوَازِهِ دُونَ السُّلْطَانِ; وَكِتَابُ اللَّهِ يُوجِبُ جَوَازَهُ، وَهُوَ قَوْله تَعَالَى: {فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ} وَقَالَ تَعَالَى: {وَلَا تَعْضُلُوهُنَّ لِتَذْهَبُوا بِبَعْضِ مَا آتَيْتُمُوهُنَّ إِلَّا أَنْ يَأْتِينَ بِفَاحِشَةٍ مُبَيِّنَةٍ} [النساء: 19] فَأَبَاحَ الْأَخْذَ مِنْهَا بِتَرَاضِيهِمَا مِنْ غَيْرِ سُلْطَانٍ.الخ) [19].

ترجمہ: تمام فقہاء خلع کے حاکم کے بغیر منعقد ہو جانے پر متفق ہیں، اور کتاب اللہ سے اس کا جواز ثابت ہوتا ہے-----لھذا معاوضہ کی وصولی حاکم کے بغیر میاں، بیوی کی باہمی رضامندی سے درست ہے۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ خلع میں زوجین میں سے ہر ایک کی رضامندی ضروری ہے، بیوی کی مال دینے کیلئے اور خاوند کی خلع دینے کیلئے۔

رہا یہ سوال کہ جب خلع میاں بیوی کا باہمی اور نجی نوعیت کا معاملہ ہے اور اسمیں فریقین کی رضامندی ضروری ہے تو پھر حکام

کو 'فإن خفتم ' کے ذریعے خطاب کرنے کا کیا فائدہ؟

اسکا جواب دیتے ہوئے علامہ ابن ہمام لکھتے ہیں :

وَيَظْهَرُ أَنَّ قَوْله تَعَالَى {فَإِنْ خِفْتُمْ أَلا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ فَلا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا} [البقرة: 229] فَإِنَّهُ تَعَالَى شَرَعَهُ مَشْرُوطًا لِخَوْفِ الْأَئِمَّةِ وَالْحُكَّامِ إذْ هُمْ الْمُخَاطَبُونَ بِقَوْلِهِ تَعَالَى فَإِنْ خِفْتُمْ وَهَذَا فَرْعُ التَّرَافُعِ إلَيْهِم................. فَيَكُونُ الْمُرَادُ مِنْ الْآيَةِ إذْنَ الْأَئِمَّةِ مِنْ تَمْكِينِهِمْ مِنْ الْخُلْعِ إذَا خَافُوا عَلَيْهِمَا عَدَمَ الْقِيَامِ بِالْمَوَاجِبِ فِيمَا إذَا ارْتَفَعُوا إلَيْهِمْ لَا أَنَّهُ لَا بُدَّ مِنْ التَّرَافُعِ إلَيْهِمْ، وَعَلَى اعْتِبَارِ هَذَا الْمَفْهُومِ يَمْنَعُونَهُمْ عِنْدَ عَدَمِ هَذَا الْخَوْفِ بِالْقَوْلِ وَالْفَتْوَى،-------.[20]

مطلب یہ ہے کہ اس آیت میں حکام اور ثالثی کا کردار ادا کرنے والوں کو خطاب کر کے اس بات کی اجازت دی گئی ہے کہ وہ جب وہ ایسے ناگفتہ بہ حالات دیکھیں کہ جن میں زوجین کی تفریق ان کے اکٹھے رہنے سے زیادہ مفید اور ضروری ہو تو ان حالات میں جب زوجین اپنا معاملہ ان کے پاس لائیں تو وہ انکے لیے خلع کی صورت اور امکان پیدا کریں، یہ مطلب نہیں کہ خلع کے لئے قاضی وحاکم کا کردار اور (خلع کے زوجین کے باہمی) معاملہ کو ان تک پہنچانا ضروری ہے۔اس سے دوسری بات یہ بھی سمجھ میں آئی کہ خلع کے لیے ''نباہ کے ممکن نہ ہونے'' کی شرط اگر مفقود ہو اور قابل اصلاح و برداشت صورتِ حال ہو تو اس صورت میں حکام اور قاضی خلع کا معاملہ کروانے میں جلدی نہ کریں، بلکہ ان کو مشاورت وفتویٰ کے ذریعہ اس عمل سے باز رکھنے کی کوشش کریں۔

اس بات کو سابق جسٹس سپریم کورٹ آف پاکستان محترم مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب نے بڑے اچھے انداز میں واضح کیا ہے، لکھتے ہیں:

"رہا یہ سوال کہ جب خلع فریقین کی باہمی رضامندی پر موقوف ہے تو پھر فإن خفتم کا خطاب اولوالأمر (حکام) کو کیوں کیا گیا؟ سو اس کا جواب اس معاشرتی پس منظر کو پیش نظر رکھ کر بآسانی دیا جاسکتا ہے جس میں یہ آیت نازل ہو رہی ہے،اس زمانے میں اولوالأمر کی حیثیت صرف ایک جج اور حاکم ہی کی نہیں تھی، بلکہ ایک مصلح، مفتی اور مشیر کی بھی تھی، لوگ صرف خلع کی ڈگری حاصل کرنے کے لیے نہیں، بلکہ بہت سے معاملات میں محض شریعت کا حکم معلوم کرنے یا مشورہ طلب کرنے کے لیے بھی ان سے رجوع کرتے تھے، لہٰذا اس آیت میں یہ کہا گیا ہے کہ اگر تم سے اس جیسے معاملے میں رجوع کیا جائے (جبکہ اصولاً وشرعاً تمہاری طرف رجوع کرنا ضروری ولازمی نہ ہو) تو تم انہیں خلع کا مشورہ دے سکتے ہو، نیز اپنی نگرانی میں خلع کروا سکتے ہو۔''[21]

خلع کے لیے زوجین کی باہمی رضامندی اور ائمہ اربعہ کا موقف:

اب ہم اس حوالے سے غور کریں گے کہ خلع میں زوجین کی رضامندی کی کیا حیثیت ہے؟ اور آیا حاکم یا قاضی بغیر باہمی رضامندی زوجین کے خلع کا فیصلہ نافذ کر سکتا ہے یا نہیں؟

(الف) ائمہ اربعہ کی عام کتب مذاہب کا مطالعہ کرنے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ خلع کے پانچ ارکان ہیں جن میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں، اور وہ مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔الموجب (ایجاب/offer) کرنے والا

۲۔القابل (یعنی قبول accept) کرنے والا

۳۔العوض، وہ مال جو بطور معاوضہ کے دیا جائے

۴۔المعوض، وہ جسکا عوض دیا جارہا ہے، وهو ملك البضع هھنا

۵۔الصیغہ، وہ الفاظ جو خلع پر دلالت کرتے ہوں۔

تو گویا کہ ایجاب و قبول کے بغیر شرعا خلع کا کوئی تصور نہیں، اور ایجاب و قبول کا مطلب یہ ہے کہ بیوی یا اسکا کوئی وکیل معاوضے کی پیش کش کرے اور خاوند اسکو قبول کر کے اس سے علیحدگی کرلے۔[22]

(ب) خلع کی حقیقت کے ثبوت کیلئے دوسری بنیادی بات یہ ہے کہ خلع ایک عقد معاوضہ ہے، اس بنا پر اسمیں فریقین کی رضامندی ضروری ہے، اس سلسلہ میں فقہاء کی عبارات ملاحظہ ہوں۔

شمس الائمہ علامہ سرخسیؒ لکھتے ہیں:

والخلع جائز عند السلطان وغیرہ لأ نه عقد التراضی کسائر العقود وهو بمنزلة الطلاق بعوض وللزوج ولایة ایقاع الطلاق ولها ولایة التزام العوض۔[23]

ترجمہ: اور خلع جائز ہے حاکم کی موجودگی اور عدم موجودگی دونوں صورتوں میں، کیونکہ یہ باہمی رضامندی کا ایک عقد ہے، دیگر عقود (معاوضہ) کی طرح، اور یہ عوض لیکر طلاق دینے کے معاملے جیسا ایک معاملہ ہے، اور خاوند کیلئے طلاق واقع کرنے کا اور بیوی کیلئے اپنے اوپر معاوضہ لازم کرنیکا حق ہے۔

علامہ حصکفی لکھتے ہیں:

وشرطه کا لطلاق۔[24]

اور خلع کی شرط بھی وہ ہے جو طلاق کی ہے۔

علامہ باجیؒ مالکی "المنتفی شرح الموطا لامام مالکؒ" میں تحریر کرتے ہیں:

وقولها: لا انا ولا ثا بت بن قیس' ظاهره الامتناع منه وحکمه حکم النشوزو تجبر علی

الرجوع اليه ان لم يرد فراقها بخلع أوغيره ۔[25]

ترجمہ: فاطمہؓ کے قول "لا انا ولا ثا بت بن قيس" کا ظاہری مطلب ہے اپنے خاوند سے دور رہنا اور یہ "امتناع" (دوری) نشوز (نافرمانی) کے حکم میں ہے، اور عورت کو خاوند کی طرف رجوع پر مجبور کیا جائے گا، اگر خاوند خلع وغیرہ کے ذریعہ تفریق پر راضی نہ ہو۔

یعنی اگر کوئی عورت اپنے خاوند سے (بغیر کسی شرعی جواز کے) علیحدگی اختیار کر لیتی ہے تو اس صورت حال میں خاوند کو خلع یا طلاق کے ذریعہ تفریق پر آمادہ کیا جائے گا، اگر خاوند کسی طرح بھی طرح تفریق پر رضامند نہ ہو تو عورت کو بلا رضا اور غبت خاوند کے گھر ہی بھیجا جائے گا۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں:

ولا يفتقرللخلع الى حاكم--- وروى البخارى ذلک عن عمروعثمان رضى الله عنهما، وبه قال شريح والزهرى ومالک والشافعى و اسحق ------ ولأ نه عقد بالتراضى فأشبه الإقالة ۔[26]

ترجمہ: اور خلع کے معاملہ کیلئے حاکم کی ضرورت نہیں، ------------ اور کیونکہ باہمی رضامندی کا معاملہ ہے تو یہ اقالہ[27] کی طرح ہی ہو گیا۔

مطلب یہ ہے کہ جس طرح عقد اقالہ میں دونوں فریق باہمی رضامندی سے کسی خریداری کے معاملے کو ختم کر لیتے ہیں اسی طرح خلع کے معاملہ میں میاں بیوی باہمی رضامندی سے عقد نکاح کو ختم کر دیتے ہیں۔

امام شافعیؒ کتاب الأم میں تحریر فرماتے ہیں:

لأن الخلع طلاق فلايكون لأحدأن يطلق عن أحد ،أب ولاسيد ولاولى ولا سلطان ۔[28]

ترجمہ: کیونکہ خلع طلاق ہے، لہذا کسی دوسرے کی طرف سے (اسکی اجازت و وکالت کے بغیر) کسی اور کو طلاق دینے کا اختیار نہیں، نہ باپ، آقا، ولی اور نہ ہی حاکم کو۔

ان تمام فقہی عبارت کا خلاصہ یہ ہوا کہ خلع چونکہ طلاق کی طرح ہے، للہذا اس میں ائمہ اربعہ کے نزدیک زوجین کی باہمی رضا مندی یا کم از کم اکیلے خاوند کی رضامندی عورت کی طرف سے خلع کی پیش کش کو قبول کرنے میں ضروری ہے، اور ان کی رضا مندی کے بغیر کوئی تیسرا شخص خواہ وہ باپ ہو یا قاضی و حاکم، خلع کو یکطرفہ طور پر نافذ کرنے کا اختیار شرعاً نہیں رکھتا ہے۔

خلع کے اجراء کے سلسلہ میں دیگر فقہاء و معاصر اہل علم کی آراء:

گزشتہ سطور میں ہم نے خلع کے سلسلہ میں فقہائے اربعہ کا موقف نقل کیا، اب ہم اس سلسلہ میں دیگر فقہا اور معاصر اہل علم

کی آراء نقل کر کے اس کا جائزہ پیش کرتے ہیں:

علامہ ابن حزم کی رائے:

الخلع وهو الافتداء اذا كرهت المرأة فخافت أن لاتو فيه حقه أوخافت أن يبغضها فلا يوفيها حقها فلها أن تفتدى منه ويطلقها إن رضى هو وان لالم يجبر ولا أجبرت هى، انما يجوز بترا ضيهما ولا يجوز الافتداء إلا بأ حد الوجهين المذكورين أو باجتما عهما ، فان وقع بغير هما فهو باطل ، ويردعليها ماأخذ منها وهى امرأته كما كانت، ويبطل طلاقه ويمنع من ظلمها فقط ۔[29]

ترجمہ: خلع مال دیکر اپنی جان چھڑا لینے کا نام ہے، جب خاوند کو ناپسند کرنے کی وجہ سے بیوی کو یہ اندیشہ ہونے لگے کہ وہ اسکا حق ادا نہ کر سکے گی، یا اسے خوف ہو کہ خاوند اس سے بغض رکھنے کی وجہ سے اسکا حق ادا نہ کرے گا تو عورت کیلئے جائز ہے کہ وہ مال دیکر اس سے خلاصی حاصل کر لے، اور خاوند اسے طلاق دے دے، بشر طیکہ وہ طلاق دینے پر رضامند ہو، ورنہ اسے طلاق دینے پر مجبور نہ کیا جائے گا اور نہ بیوی کو (معاوضہ دینے پر) مجبور کیا جاے گا۔ بلاشبہ خلع میاں بیوی کی باہمی رضامندی سے ہی جائز ہو سکتا ہے، اور عورت کا مال دیکر خلاصی حاصل کرنا (اوپر ذکر کردہ) دونوں وجوہات یا ان میں سے کسی ایک وجہ سے ہی جائز ہے۔ لہذا اگر خلع ان وجوہات کے بغیر ہوا تو وہ باطل ہو گا، اور خاوند عورت سے وصول شدہ مال واپس کرے گا اور عورت بدستور اسکی بیوی ہو گی، اور خاوند کی طلاق باطل سمجھی جائیگی، البتہ خاوند کو بیوی پر ظلم کرنے سے روکا جائے گا۔

اس عبارت میں خط کشیدہ جملے خاص طور پر قابل غور ہیں، اس سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ خلع میں خاوند کی رضامندی لازمی ہے، ورنہ خاوند کو عدم رضا کی صورت میں طلاق پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔

علامہ ابن تیمیہؒ کی رائے:

شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ کی رائے بھی یہی معلوم ہوتی ہے کہ عدم پسندیدگی کی صورت میں خاوند کو خلع پر مجبور نہیں کیا جا سکتا ہے، البتہ اگر خاوند میں کوئی ایسے اسباب و اعذار پائے جائیں جو تفریق و تنسیخ نکاح کا سبب بنتے ہیں جیسا کہ خاوند کا بیوی کو اذیت دینا، اس کے شرعی حقوق واجبہ میں کوتاہی کرنا (جس کو تعنت کہا جاتا ہے) تو اس صورت میں عدالت اس کو مجبور کر کے تفریق کروا سکتی ہے۔

چنانچہ لکھتے ہیں:

"اذا أكره الرجل على الفرقة بحق مثل أن يكون مقصراً فى واجبا تها أومضارا اليها بغيرحق من قول أوفعل كانت الفرقة صحيحة وان كان أكره بغير حق كالإكراه والحبس وهو محسن لعشر تها

لم تقع الفرقة، بل اذا أبغضت هی وهو محسن اليها فانه ليطلب منه الفرقة من غيرأن يلزم بذلک، فان فعل وإلا أمرت المرأة ان تصبر اذالم يكن هناک مايبيح الفسخ[30].

اگلی سطور میں ہم اس سلسلے میں معاصر اہل علم کی آراء ذکر کرتے ہیں:

شیخ محمد بن صالح المنجد السعودی کی رائے:

ایک سوال کے جواب میں جو خلع ہی سے متعلق ہے تحریر فرماتے ہیں :

"خلع کی صورت یہ ہے کہ خاوند بیوی کو چھوڑنے کا عوض کچھ لے یا پھر وہ کسی عوض پر متفق ہو جائیں اور پھر خاوند اپنی بیوی کو کہے کہ میں نے تجھے چھوڑ دیا۔۔۔اور طلاق خاوند کا حق ہے یہ اس وقت تک واقع نہیں ہو سکتی جب تک وہ طلاق نہ دے، اس لیے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے،

إنما الطلاق لمن أخذبالساق[31]

مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کی رائے:

مولانا تقی عثمانی تحریر فرماتے ہیں:

" ہماری تحقیق کی حد تک امت مسلمہ کے تقریباً تمام فقہا مجتہدین اس بات پر متفق ہیں اور قرآن وسنت کے دلائل بھی اس کی تائید کرتے ہیں کہ خلع فریقین کی باہمی رضامندی کا معاملہ ہے اور کوئی فریق دوسرے کو اس پر مجبور نہیں کر سکتا" ۔

پھر مزید لکھتے ہیں:

(ولهن مثل الذی علهين بالمعروف) تمام فقہا ومفسرین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اس آیت میں زوجین کی جس مساوات کا ذکر کیا گیا ہے وہ معاشرتی مساوات ہے، ورنہ جہاں تک طلاق اور رشتہ نکاح کو ختم کرنے کا سوال ہے معمولی حالات میں اسکا مکمل اختیار صرف مرد کو ہے، اور اسی کی طرف قرآن کریم میں ان الفاظ کے ذریعہ اشارہ کیا گیا ہے "وللرجال عليهن درجة" الخ۔[32].

سید سابق کی رائے:

" والخلع يكون بتراضي الزوج والزوجة، فإذا لم يتم التراضي منهما فللقاضي إلزام الزوج بالخلع، لان ثابتا وزوجته رفعا أمرهما للنبي صلى الله عليه وسلم،وألزمه الرسول بأن يقبل الحديقة، ويطلق". [33]

(ترجمہ) خلع تو میاں بیوی کی رضامندی سے ہوتا ہے، پھر اگر دونوں کی رضامندی نہ حاصل ہو سکے تو قاضی کے لئے جائز ہے کہ خاوند کو خلع پر مجبور کرے، جیسا کہ حضرت ثابت اور انکی اہلیہ نے اپنا معاملہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا اور آپ نے ثابت کو (مہر میں دیے ہوے) باغ کو قبول کرنے اور پھر طلاق دینے کو لازم قرار دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ سید صاحب کے نزدیک بھی خلع میں خاوند کی رضا ضروری ہے، تاہم خاوند کو عدم رضا کی صورت میں خلع پر مجبور کیا جا سکتا ہے، لیکن سید صاحب کے موقف سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ انکے نزدیک خاوند کو کلیۃً نظر انداز کر کے از خود قاضی خلع کو نافذ کر سکتا ہے۔

خلع میں خاوند کی رضامندی سے متعلق دوسرا موقف اور اسکا جائزہ:

خلع کے سلسلہ میں ایک موقف یہ ہے کہ خلع میں خاوند کی رضامندی ضروری نہیں، اگر عدالت یا قاضی کے حکم کے باوجود خاوند خلع پر رضامند نہیں ہوتا اور عدالت میں عورت کسی قیمت پر خاوند کی طرف لوٹنے پر تیار نظر نہیں آتی تو اس صورت میں عدالت یکطرفہ طور پر بھی خلع کا فیصلہ کر سکتی ہے، ہماری تحقیق کے مطابق یہ رائے چند معاصر اہل علم کی طرف سے سامنے آئی ہے، ذیل میں ہم ان حضرات کا موقف مع دلائل ذکر کرنے کے بعد اس پر تبصرہ کریں گے۔

الدکتور وھبۃ الزحیلی کی نقل کردہ مالکیہ کی رائے:

علامہ زحیلی اس سلسلہ میں چاروں مذاہب نقل کرنے کے بعد فقہ مالکی کا اختلاف کرتے ہیں:

المبحث الثالث: التفريق للشقاق أوللضرر وسوء العشرة: لم يجز الفقهاء الحنفية والشافعية و الحنابلة التفريق للشقاق أوللضررمهما كان شديدا، لأن دفع الضر ر يمكن بغير الطلاق عن طريق رفع الأ مرالى القاضى والحكم على الرجل بالتأ ديب حتى يرجع عن الإضرار بها،وأجاز المالكية التفريق للشقاق أوللضرر منعاً للنزاع وحتى لاتصبح الحياة الزوجية جحيما وبلا ء -----وبناء عليه ترفع المرأة أمرها للقاضى فان أ ثبتت الضرر أوصحة دعواها طلقها منه وان عجزت عن إثبات الضرر رفضت دعواها، فان كررت الادعاء بعث القاضى حكمين---واختلف الفقهاء فى تفريق الحكمين بين الزوجين اذا اتفقا عليه،هل يحتاج الى إذن من الزوج او لا يحتاج اليه، فقال الجمهور: يعمل الحكم بتوكيل من الزوج فليس للحكمين ان يفرقابين الزوجين الا ان يجعل الزوج اليهما التفريق، لأ ن الاصل أن الطلاق ليس بيد أحد سوى الزوج اومن يوكله الزوج-------- وقال المالكية ينفذقول الحكمين فى الفرقة والاجتماع بغير توكيل الزوجين ولاإذن منهما فيهما بدليل مارواه مالك عن علیؓ ------- الخ[34].

اس سے معلوم ہوا کہ علامہ الزحیلی کے نقل کردہ مالکیہ کے قول کے مطابق اگر میاں بیوی میں اختلاف، لڑائی جھگڑا اور تکلیف پہنچانے کی صورت حال درپیش ہو تو قاضی یا اسکے مقرر کردہ دو ثالث ان کے درمیان تفریق کر سکتے ہیں اور اس میں خاوند کی رضامندی ضروری نہیں ہے۔

علامہ ڈاکٹر خالد سیف اللہ رحمانی کی رائے:

مندرجہ بالا مالکیہ کے قول کی بناء پر ہندوستان کے معروف عالم علامہ خالد سیف اللہ رحمانی صاحب کی رائے یہ ہے:

"ان وجوہ کی بناء پر واقعہ ہے کہ اس مسئلہ میں امام مالک کی رائے زیادہ قوی معلوم ہوتی ہے اور یہی رائے اکثر فقہاء اوزاعی، اسحٰق، شعبی، نخعی، طاؤس، ابو مسلم، ابراہیم، مجاھد اور امام شافعی کی ہے، صحابہ میں بھی حضرت علی، عثمان، عبداللہ بن عباسؓ کا یہی مسلک نقل کیا گیا ہے"۔[35]

علامہ طاہر القادری صاحب کی رائے:

علامہ صاحب ایک سوال کے جواب میں رقم طراز ہیں:

"سوال 281: کیا خلع کے لیے شوہر کی رضامندی ضروری ہے؟

جواب: جی نہیں! خلع کے لیے شوہر کی رضامندی ضروری نہیں کیونکہ بیوی شوہر سے خلع کا مطالبہ صرف اسی صورت میں کرتی ہے جب اسے شوہر سے اختلاف ہو۔ جس طرح شریعت نے مرد کو طلاق کا حق دیا ہے اسی طرح عورت کو خلع کا اختیار دیا ہے فرق صرف اتنا ہے کہ طلاق کے معاملے میں مرد بااختیار ہوتا ہے وہ جب چاہے اس حق کو استعمال کر سکتا ہے جبکہ عورت کو خلع کے لیے عدالت کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے۔[36]

(4) علامہ غلام رسول سعیدی کی رائے:

سورۃ البقرۃ کی خلع سے متعلق آیت کے تحت تفصیلی گفتگو کے آخر میں اپنا موقف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"میں کہتا ہوں قوت دلیل کے اعتبار سے ائمہ ثلاثہ کا مذہب راجح ہے اور خصوصا ہمارے زمانے میں لوگ اپنی بیویوں کو تنگ کرنے اور ستانے کے لئے نہ ان کو آباد کر کے ان کا خرچ ادا کرتے ہیں اور نہ انکو طلاق دے کر آزاد کرتے ہیں اور انکی بیویاں انکے پنجہ ظلم میں اسیر رہتی ہیں۔۔۔۔۔ تو ایسی صورت میں انسانی ہمدردی کا تقاضا یہ ہے کہ ائمہ ثلاثہ اور دیگر فقہا کے مذہب پر عمل کیا جائے اور جب کوئی مرد اپنی بیوی کو نہ خرچ دے اور نہ طلاق دے کر آزاد کرے تو پھر عدالت کو یہ اجازت دی جائے کہ وہ ایسی عورت کے اوپر طلاق نافذ کردے اور اس زمانے کے مفتیان کرام پر لازم ہے کہ وہ اس طلاق کو نافذ قرار دیں"۔[37]

یہ چند ایک اقوال معاصر اہل علم کے معلوم ہوئے ہیں جو مالکیہ کے ایک قول کی بنا پر یہ رائے رکھتے ہیں کہ عدالت خاوند کی اجازت و رضامندی کے بغیر بھی خلع دے سکتی ہے۔

حدیث خلع اور نبی اکرم ﷺ کے ارشاد کی وضاحت:

عام طور خلع کے یک طرفہ طور پر جواز کے قائل حضرات خلع سے متعلق حدیث قیس بن ثابت سے استدلال کرتے ہیں، ذیل میں خلع سے متعلق احادیث ذکر کرنے کے بعد ان سے استدلال کا جائزہ لیا جائے گا،

عن ابن عباسؓ أن امرأة ثابت بن قيس أ تت النبیﷺفقالت: يا رسول الله! ثابت بن قيس ما أعتب عليه فی خلق و لادين ولكنی أكره الكفرعلى الإسلام، فقال رسول الله ﷺ: أتردين عليه حديقة؟ قالت: نعم، قال رسول اللهﷺأقبل الحديقة و طلقها"۔[38]

یہ حدیث مبارک صحیح بخاری کے علاوہ سنن ابوداؤد، سنن النسائی، سنن ابن ماجہ، السنن الکبریٰ للبیھقی و سنن الدار قطنی وغیرہ کتب حدیث میں مختلف الفاظ کے ساتھ منقول ہے[39]، اور معجم طبرانی (حدیث نمبر:) میں محمد بن سلیمان بن أَبِي حَثْمَةَ، کی اپنے چچا سہل بن أَبِي حَثْمَةَ کی روایت سے منقول ہے کہ یہ اسلام میں خلع کا سب سے پہلا واقعہ ہے[40]۔اور بخاری کی روایت کے مطابق وہ خاتون ''جمیلہ بنت سلول'' اور ابوداؤد و موطا کی روایت کے مطابق ''حبیبہ بنت سھل'' اور دار قطنی کے مطابق ''زینب'' تھیں،اس سلسلہ میں حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں:

وَالَّذِي يَظْهَرُ أَنَّهُمَا قِصَّتَانِ وَقَعَتَا لِامْرَأَتَيْنِ لِشُهْرَةِ الْخَبَرَيْنِ وَصِحَّةِ الطَّرِيقِينَ وَاخْتِلَافُ السِّيَاقِ ۔[41]

ترجمہ: اور جو بات مجھ پر واضح ہوئی ہے وہ یہ کہ یہ دو واقعات دو مستقل عورتوں کو پیش آئے ہیں، کیونکہ دونوں روایات مشہور ہیں۔

اس سلسلہ میں جو روایات مروی ہیں ان میں تقریبا جو الفاظ منقول ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں:

بخاری کی ایک روایت میں ہے: فردت عليه و أمره ففارقها (حدیث نمبر ۴۸٦۹)، یعنی ان صحابیہ نے باغ لوٹا دیا اور آپ ﷺ نے اس صحابی کو حکم دیا تو انہوں نے بیوی سے تفریق کرلی۔

اور بخاری کی دوسری روایت اور دار قطنی میں ہے: اقبل الحديقة وطلقها تطليقة (حدیث نمبر ۴۸٦۷)۔ مطلب یہ ہے کہ آپ نے حکم دیا کہ باغ لے لو اور اس کو ایک طلاق دے دو۔

سنن أبوداؤد میں ہے :خذ بعض مالهاوفارقها، ففعل (حدیث نمبر: 2228)،

اور نسائی کی روایت میں ہے : قال رسول الله ﷺ لثابت :خذ منها فاخذ منها وجلست فی اهلها (حدیث نمبر: ۳۴۰۹)

اب دیکھنا یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ثابت بن قیس کو حکم فرمایا اس حکم کی کیا حیثیت تھی، حضور کا یہ فرمان حاکم کے فیصلہ کے طور پر تھا، یا علیحدگی کیلئے ایک مشورہ تھا؟ اس سلسلہ میں ہم محدثین وفقہاء کے کلام و تشریحات کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

۱۔امام بخاریؒ نے اس سلسلہ میں باب قائم کیا ہے: باب الشقاق و هل يشير بالخلع عند الضرورة ، قال تعالىٰ: وان خفتم شقاق الخ،(ترجمہ: یہ باب ہے میاں بیوی کے درمیاں اختلاف کے احکام کے بارے میں اور کیا اسے ضرورت پڑنے پر (حاکم) خلع کا مشورہ دے سکتا ہے، اور اللہ تعالی کے ارشاد 'وان خفتم شقاق بینھما' کے بارے میں)

امام بخاریؒ کا اسلوب اپنی کتاب صحیح بخاری میں تراجم الابواب (ہر باب کے عنوان کے سلسلہ) کے حوالے سے یہ ہے کہ وہ مختلف الحکم احادیث ذکر کرنے سے قبل باب کا عنوان ایسا قائم فرماتے ہیں کہ جس سے ان احادیث میں بظاہر نظر آنے والا تعارض دور ہو جائے، اور اسکے ساتھ امام بخاری کا ان متعارض احکام سے متعلق رجحان بھی واضح ہو جائے، اس باب کے عنوان سے معلوم ہوا کہ امام بخاری کے نزدیک بھی خلع والی روایات میں آپ علیہ السلام کے حکم کی حیثیت مشورہ کی سی ہے، لازمی اُمر اور فیصلہ کی سی نہیں ہے۔

۲۔حافظ ابن حجر عسقلانیؒ اس حدیث کی شرح میں تحریر فرماتے ہیں:

هوأمر إرشاد و اصلاح لا إيجاب۔یعنی یہ امر ارشاد (راہنمائی) اور اصلاح (خیر خواہی) کے لیے ہے، ایجابی یعنی کسی چیز کو واجب کرنے کے لیے نہیں۔ (42)

حافظ ابن حجرؒ کی یہ وضاحت اس بارے میں بالکل فیصلہ کن ہے، کہ آپ علیہ السلام کا حکم وجوبی نوعیت کا نہیں، بلکہ نبی اور مربی ہونے کی حیثیت سے ایک راہنمائی ہے۔

۳۔علامہ شوکانیؒ 'نیل الاوطار' میں علامہ ابن حجرؒ کا مندرجہ بالا قول نقل کرنے کے بعد (حضور اکرم ﷺ نے جو حکم-" اقبل الحديقة ،یعنی باغ معاوضہ کے طور پر قبول کرلو - ثابت بن قیس کو فرمایا تھا اسکی) وضاحت کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کا یہ فرمان بیان جواز کیلئے تھا، کہ کہیں خاوند کے ذہن میں نہ آئے کہ شاید میرے لئے طلاق دینے پر معاوضہ قبول کرنا جائز نہ ہو، تو اسکی وضاحت کردی کہ نہیں یہ معاوضہ قبول کرنا خاوند کیلئے جائز ہے۔)(43)

۴۔علامہ ابن بطال اس کی تشریح میں لکھتے ہیں:

والأصل المجمع عليه أن الطلاق بيد الزوج أ وبيد من جعل ذلک اليه وجعله من باب طلاق السلطان على المولى والعنين[44]۔

ترجمہ: یہ اجماعی اصول ہے کہ طلاق کا اختیار خاوند کے پاس ہے یا جس کو وہ یہ اختیار سونپ دے، اور طلاق کا حاکم کو اختیار صرف ایلاء کرنے والے اور نامرد شخص پر ہے۔

۴۔ علامہ ابن ہمامؒ فقہ حنفی کی مشہور کتاب ''فتح القدیر'' میں لکھتے ہیں:

لأن الظاهر أن المخاطب بقوله صلى الله عليه وسلم طلقها ، إمتثل قوله صلى الله عليه وسلم فطلق ، وكثيراً مايطلق الخلع على الطلاق بمال.[45]

ترجمہ: ظاہر بات یہی ہے کہ آپ ﷺ کے ارشاد ''طلقھا'' کے مخاطب (حضرت قیس) نے آپ کے ارشاد کی تعمیل کرتے ہوئے طلاق (از خود) دی تھی، اور اکثر و بیشتر طلاق بالمال کو بھی خلع کہہ دیا جاتا ہے۔

معلوم ہوا کہ آپ علیہ السلام کے محض فرمانے سے طلاق نہیں واقع ہو گئی تھی، بلکہ طلاق دینے والے خود حضرت قیس تھے اور انہوں نے آپ کی بات کو قبول فرماتے ہوئے خود طلاق دی، اور خلع پر راضی ہو گئے۔

۵۔ علامہ ابو بکر جصاص اپنی تفسیر "احکام القرآن" میں لکھتے ہیں:

قَالَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِامْرَأَةِ ثَابِتِ بْنِ قَيْسٍ حِينَ جَاءَتْ تَشْكُوهُ أَتَرُدِّينَ عَلَيْهِ حَدِيقَتَهُ قَالَتْ نَعَمْ وَمَعْلُومٌ أَنَّ رِضَى ثَابِتٍ قَدْ كَانَ مَشْرُوطًا فِيهِ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ مَذْكُورًا في الخبر لِأَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَكُنْ يُلْزِمُ ثَابِتًا الطَّلَاقَ وَلَا يُمَلِّكُهُ الْحَدِيقَةَ إلا برضاه[46]

"حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ثابت بن قیس □ کی زوجہ سے فرمایا جو کہ ان کی شکایت لے کر آئی تھیں کہ کیا تم اس کا باغ اسے لوٹا دو گی؟ تو انہوں نے جواب دیا: جی ہاں، اور یہ بات واضح ہے کہ حضرت ثابت □ کی رضامندی اس میں شرط تھی اگرچہ اس کا ذکر حدیث میں نہیں ہے، کیونکہ حضور نے ان کو طلاق دینے اور باغ کے مالک بننے کو ان کی رضامندی کے بغیر لازم نہیں کیا۔

اس عبارت سے چند باتیں معلوم ہوئیں:

(ا) جیسے عورت کی رضامندی اور قبول کے بغیر خلع میں مال کی ادائیگی یا فدیہ نہیں ہو سکتا، اسی طرح خاوند کی رضا اور اختیار کے بغیر طلاق یا خلع بھی واقع یا نافذ نہیں ہو سکتا۔

(ب) نبی اکرم ﷺ باوجود اس کے کہ معاملہ میں قاضی یا حکم اور امیر کی حیثیت رکھتے تھے، لیکن آپ نے اس کے باوجود طلاق دینے کے لیے ثابت کو کہا اور ان پر لازم نہیں کیا اور نہ ہی خود تفریق کروائی۔ اس سے معلوم ہوا کہ خلع میں خاوند کی رضامندی ضروری ہے، اور اگر اس کی رضامندی نہ ہو تو حاکم یا قاضی از خود یک طرفہ طور پر

خلع کا حکم یاڈگری جاری نہیں کر سکتا۔

٦۔ حدیث خلع میں نبی اکرم ﷺ کے ارشاد کی حیثیت سے متعلق واضح اور فیصلہ کن بات وہ ہے جس کو علامہ باجی مالکیؒ نے امام دارالھجرۃ مالک بن انسؒ کی کتاب "موطا" کی شرح میں نقل کیا ہے، لکھتے ہیں:

وقوله ﷺ خذ منها اباحة منهﷺ أخذ الفداء منها ،وقد يصح ان يكون ندبا الى ذلک ، لما رأى من اشفاقها واستضرار ها بالمقام معه،وقد بلغ ذلک منهاالى ان خافت ان تأتى ما تأ ثم به[47]۔

ترجمہ: " نبی اکرم ﷺ کا حضرت قیس کو "خذ منها" (کہ اس سے لے لو) فرمانا فاطمہؓ سے مال (مہر کو واپس لے) لینے کی اجازت کے طور پر تھا، اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ فرمان مہر وصول کرنے کے مندوب اور بہتر ہونے کی طرف توجہ دلانے کیلئے ہو۔ کیونکہ آپ علیہ السلام فاطمہؓ کے قیسؓ کے ساتھ رہنے سے خوفزدہ اور تنگ ہونے کو سمجھ چکے تھے، اور نوبت یہاں تک آچکی تھی کہ فاطمہؓ اب کسی ایسے اقدام سے ڈر رہی تھیں کہ جس سے وہ گنہگار ہو جائیں"۔

اس سے واضح طور پر معلوم ہو گیا کہ حضور ﷺ کا یہ فرمان وجوبی حکم نہ تھا کہ جسکی بنیاد پر یہ کہا جاسکے کہ خلع کے معاملہ میں حاکم کو یک طرفہ طور پر بھی طلاق واقع کرنے کا اختیار حاصل ہے۔

یکطرفہ خلع کے قائل حضرات کے دلائل اور ان کا جائزہ:

حدیث مسند احمد و ابن ماجہ کی تحقیق:

عموماً جو حضرات خلع کے سلسلہ میں خاوند کی رضامندی کے بغیر بھی حاکم اور قاضی کی طرف سے تفریق کے قائل ہیں، انکی دلیل کے طور پر یہ حدیث پیش کی جاتی ہے:

عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده قال كانت حبيبة بنت سهل تحت ثابت بن قيس بن شماس و كان رجلا د ميماً۔۔۔۔ ففرق بينهما رسول الله عليه وسلم[48]۔

ترجمہ: حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ حبیبہ بنت سھل، ثابت بن قیس بن شماس کے عقد میں تھیں اور وہ خوب شکل نہ تھے۔۔۔ تو نبی علیہ السلام نے ان کے درمیان تفریق کر دی۔

اور مسند احمد میں ہے:

" فردت عليه حديقته و فرق بينهما الخ"[49]۔

جو حضرات حاکم یا قاضی کے خاوند کی رضا کے بغیر خلع کے نفاذ کا قول رکھتے ہیں ان کی دلیل یہ حدیث ہے، جس

سے استدلال یہ کیا جاتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خاوند کی رضا معلوم کیے بغیر خود ہی تفریق کر دی تھی، تو معلوم ہوا کہ خاوند کی رضامندی کے بغیر بھی حاکم تفریق کر سکتا ہے۔ لیکن اس حدیث کے متعلق چند باتیں قابل غور ہیں:۔ حدیث ابن ماجہ کے بارے میں علامہ ہیثمی نے "مجمع الزوائد" میں تحریر فرمایا ہے:

" فی اسناده حجاج بن أرطاة مدلس قد عنعنه" ۔(کہ اس کی سند میں ایک راوی حجاج بن ارطاۃ ہیں جن کی روایت معنعن ہے(50)۔

اور علامہ ابن حجرؒ لکھتے ہیں :

"فی اسناده حجاج بن أرطاة ولا يحتج به" (کہ اسکی سند میں حجاج بن ارطاۃ راوی ہیں، جنکی حدیث کو بطور حجت نہیں پیش کیا جا سکتا"(51)۔

اس بناء پر یہ حدیث اس قابل نہیں ہے کہ اس سے استدلال کیا جا سکے اور اسے حجت بنا کر پیش کیا جا سکے، خاص طور پر جبکہ اس حدیث کے مقابلہ میں کئی احادیث صحیحہ آپ علیہ السلام کے حضرت قیس کو طلاق دینے یا تفریق کے حکم کرنے کے بارے میں وضاحت کے ساتھ وارد ہوئی ہیں۔

حدیث بیہقی/دار قطنی کی تحقیق:

دوسری دلیل جو عام طور پر پیش کی جاتی ہے وہ بیہقی کی روایت ہے اور یہ روایت مختلف طرق سے منقول ہے، جن میں سے ایک میں یہ الفاظ ہیں:

" فقال النبی صلی الله علیه وسلم اما الزیاده فلا ولکن حدیقته ، فقالت؛ نعم فأخذ ماله وخلی سبیلها فلما بلغ ذلک ثابت بن قیس بن شماس رضی الله عنه قال: قد قبلت قضا، رسول الله صلی الله علیه وسلم"(52) ۔

ترجمہ:" تو نبی ﷺ نے فرمایا، رہا اضافہ تو وہ نہیں ہو سکتا، البتہ اسکا باغ، تو وہ ہو سکتا ہے۔ تو فاطمہؓ نے جوابا کہا: قبول ہے۔ تو نبی ﷺ نے وہ باغ قیس کیلئے وصول فرمالیا، اور فاطمہ کو جانے دیا (یعنی معاملہ ختم فرمادیا)۔ جب یہ خبر قیس بن شماسؓ کو پہنچی، تو انہوں نے کہا کہ مجھے رسول اللہ ﷺ کا فیصلہ منظور ہے" ۔

تو اس سے استدلال یوں کیا جاتا ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت قیسؓ کی رائے یا رضامندی معلوم کیے بغیر خود ہی تفریق فرمادی تھی، اور جب حضرت قیس کو آپ ﷺ کے فیصلے کا علم ہوا تو انہوں نے اس فیصلہ کو بلا چون وچراں قبول کر لیا، تو اس سے معلوم ہوا کہ حاکم یا قاضی خاوند کی رضامندی کے بغیر بھی خلع کے کیس میں تفریق کر سکتا ہے۔ تاہم اس حدیث کے بارے میں چند امور قابل غور ہیں۔

۱۔اس حدیث کے بارے میں بیہقی ہی میں ہے:

" وهذا ايضاً مرسل[53]" (یعنی یہ بھی مرسل روایت ہے)۔

اس کے مقابلے کی اس قدر زیادہ مرفوع اور صحیح احادیث کے ہوتے ہوئے ایک مرسل روایت سے استدلال نہیں کیا جا سکتا۔

۲۔دوسری روایت جو اس کے ساتھ ہی مذکور ہے، اس میں ہے:

" فقال لها رسول الله صلى الله عليه وسلم تردين عليه حديقة و يطلقک"[54] ۔

(کہ آپ ﷺ نے پوچھا کہ تو اسکو باغ لوٹا دے گی کہ پھر وہ تجھے طلاق دے)، اور تین مرتبہ یہ الفاظ ارشاد فرمائے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ان سے پوچھ کر فرما رہے ہیں کہ تو اپنے خاوند کو باغ لوٹائے گی اور وہ تجھے اس کے عوض طلاق دے گا۔ تو گویا کہ تفریق کر کے معاملہ آپ نے خود ہی ختم نہیں فرمایا، بلکہ محض اس کا ایک حل پیش فرمایا۔

۳۔اور بیہقی ہی کی تیسری روایت میں ہے:

فأخذ احداهما ففارقها[55] (کہ قیس نے ان میں سے ایک وصول کیا اور فاطمہ کو جدا کر دیا) اس میں صراحت ہے کہ جدائی کا فیصلہ ثابت نے خود کیا تھا۔

۴۔دار قطنی میں ہی اس حدیث کے یہ الفاظ بھی منقول ہیں:

"يا ثابت اقبل الحديقة وطلقها تطليقة "[56] ۔ (اے ثابت! باغ لے لو اور اسے طلاق دے دو)، اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ طلاق آپ ﷺ نے خود نہیں دی تھی بلکہ حضرت قیسؓ کو اس کا حکم فرمایا تھا۔

۵۔سنن نسائی کی ایک روایت میں ہے کہ میاں بیوی میں اس قدر حالات کشیدہ ہو گئے تھے کہ بات مار پیٹ تک پہنچ گئی تھی، اور اس مار پیٹ میں انکی اہلیہ کا ہاتھ بھی ٹوٹ گیا تھا:

" عن الربيع بنت معوذ : { أن ثابت بن قيس بن شماس ضرب امرأته فكسر يدها وهي جميلة بنت عبد الله بن أبي ، فأتى أخوها يشتكيه إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم ، فأرسل رسول الله صلى الله عليه وسلم إلى ثابت ، فقال له : خذ الذي لها عليك وخل سبيلها ؟ قال : نعم ، فأمرها رسول الله صلى الله عليه وسلم أن تتربص حيضة واحدة وتلحق بأهلها } رواه النسائي.........الحديث "[57] ۔

تو اگر اس کو حضور ﷺ ہی کی تفریق پر محمول کیا جائے تو اسکی بنیاد "تعنت" ہو گی نا کہ محض عدم پسندیدگی، اور ہماری بحث کا تعلق اس بات کے ساتھ ہے کہ کیا محض عدم پسندیدگی کی وجہ سے عورت کے مطالبے پر حاکم یک طرفہ خلع دے سکتا ہے یا نہیں۔

٦۔ دار قطنی والی روایت کے راوی بھی حجاج ہیں، جنکے بارے میں علامہ دار قطنیؒ لکھتے ہیں:

والحجاج فرجل مشهور بالتدليس،وبانه يحدث عمن لم يلقه و من لم يسمعه منه-------وقال يحيى بن معين:الحجاج بن ارطاة لايحتج بحديثه(58)۔

اور حجاج، وہ تو تدلیس میں مشہور ہیں، اور ان سے بھی روایت کر لیتے ہیں جن سے نہ ان کی ملاقات ہو سکی ہو ملے اور ان سے بھی جن سے سماعت نہ ہو۔۔۔۔اور یحیی بن معینؒ فرماتے ہیں: حجاج کی حدیث کو بطور دلیل نہیں پیش کیا جا سکتا۔

ان سب تفصیلات سے واضح ہو گیا کہ فاطمہؓ بنت قیس والی روایات سے اس بات پر استدلال نہیں کیا جا سکتا کہ خاوند کی رضامندی کے بغیر بھی خلع ہو سکتا ہے۔

مالکیہ کے قول سے استدلال اور اسکی وضاحت:

جن حضرات نے بعض مالکیہ کے قول کو بنیاد بنا کر خلع کے نام پر عدالتی تفریق کی عدم پسندیدگی کی صورت میں بھی اجازت دی ہے، انہوں نے تعنت اور خلع کی صورتوں میں خلط کر دیا ہے۔

تفصیل اسکی یہ ہے کہ شریعت نے حاکم کو مخصوص حالات میں (ضرورت شدیدہ کے وقت) زوجین میں تفریق کا حق دیا ہے، اور وہ ضرورت زوجین کے ساتھ رہنے میں عورت کو ضرر کا لاحق ہونا ہے، اور بعض صورتوں میں تو ضرر واضح نظر آ رہا ہوتا ہے کہ جسکی تحقیق کی ضرورت نہیں ہوتی، اور بسا اوقات شقاق و نزاع کی وجہ سے پیش آنے والے ضرر کا معلوم کرنا مشکل ہوتا ہے، اس قسم کی صورت حال میں قرآن مجید میں معاملہ کو دیکھنے اور حل کرنے کیلئے حکمین کو مقرر کرنے کا حکم فرمایا گیا ہے، اب اس حکم کے تقرر کی تین صورتیں ہو سکتی ہیں:

۱۔ حکمین کا تقرر حاکم کی طرف سے ہوا ہو، اس صورت میں جمہور فقہاء کرام کے نزدیک حکمین کو خود سے زوجین میں تفریق کا حق حاصل نہیں ہوتا، البتہ امام مالکؒ کے نزدیک تفریق کا حق حاصل ہوتا ہے۔

۲۔ حکمین کا تقرر زوجین کی طرف سے عمل میں آیا ہو، اور زوجین نے انکو تفریق کا اختیار نہ دیا ہو، اس صورت سب ائمہ بشمول امام مالکؒ کے نزدیک حکمین کو تفریق کا حق حاصل نہ ہو گا۔

۳۔ حکمین کا تقرر زوجین کی طرف سے عمل میں آیا ہو، اور زوجین نے انکو تفریق کا اختیار بھی دیا ہو، تو یہ بھی اتفاقی صورت ہے، کہ چاروں ائمہ کے نزدیک حکمین کو ززوجین میں تفریق کا اختیار ہو گا۔

نتیجہ بحث:

مندرجہ بالا تفصیل سے یہ بات واضح ہے کہ خلع کی صورت میں تو بہر حال خاوند کی رضامندی ضروری ہے، اور اسکے بغیر شرعی خلع نہیں ہو سکتا، اور عدم پسندیدگی کی بناپر اگر عورت کی طرف سے "نشوز" ظاہر ہو کہ وہ نافرمان ہو کر کسی حال میں خاوند کے ساتھ رہنے پر آمادہ نہ ہو، اور دوسری طرف خاوند طلاق دینے پر رضامند نہ ہو تو ایسی صورت مین کیا عدالت یک طرفہ طور پر کاروائی کر کے "تفریق" کر واسکتی ہے یا نہیں؟

اس سلسلہ میں غور کرنے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ خاوند جسکے بارے میں قرآن نے "بیدہ عقدۃا لنکاح "کا واضح اصول بیان فرمایا ہے ،اگر وہ محض بیوی کو ناپسند کرنے کی بنا پر طلاق کا اقدام کرنا چاہے تو شریعت میں اسے اس عمل سے باز رہنے کی ہدایت کی گئی ہے، ارشاد خداوندی عزاسمہ ہے:

وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ فَإِنْ كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَى أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَيَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا (59)

"اور ان عورتوں سے اچھائی سے پیش آتے رہو، پس اگر تم انہیں ناپسند کرنے لگو تو (یاد رکھو) کہ ہو سکتا ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرتے ہو اور اللہ تعالی نے اس میں تمہارے لئے بہت بڑی خیر رکھی ہو"۔

اور نبی ﷺ کا ارشاد ہے:

" لایفرک مؤمن مؤمنة ان کره منهاخلقا رضی منها آخر "[60]

ترجمہ: کوئی مومن مرد مومن عورت سے بغض نہ رکھے، اگر اس میں ایک عادت ناپسند ہو گی تو دوسری پسند بھی ہو گی۔

مطلب یہ ہے کہ عورت کو ناپسند کرنے کی وجہ سے اس سے اتنا بغض نہ رکھنے لگے کہ اس سے طلاق تک کی نوبت آجائے، بلکہ اس کی اچھی عادات کو مد نظر رکھتے ہوئے ناپسند عادات کو نظر انداز کرنے کی کوشش کرے [61]

جب خاوند کی طرف سے محض عدم پسندیدگی طلاق و فراق کا شرعی سبب جواز نہیں بن سکتی، تو عورت کی طرف سے ناپسندیدگی، عدالت وغیرہ کو "حق تفریق" دلانے کا جواز کیسے بن سکتی ہے؟۔

اور عدالتوں و بعض اہل علم کا مالکیہ کے قول کو بنیاد بنا کر اس سے جواز نکالنے کی کوشش کرنا اور اس معاشرتی مجبوری کہ عورت خاوند کے ساتھ رہنا پسند نہیں کرتی، اور کوشش کے باوجود طلاق ہی پر اصرار کرتی ہے، اور خاوند طلاق دینے پر رضا مند نہیں ہوتا، کا حل' یہ نکالنا کہ عدالت کو خلع کی بنیاد پر بھی یک طرفہ تفریق کا حق دیا جائے مذاہب اربعہ کی روشنی میں درست حل نہیں۔ رہا اس مشکل کا حل تو اس بارے میں عرض یہ ہے کہ دیکھنا یہ چاہیے کہ وہ کیا وجوہات ہیں جس کی وجہ سے عورت خاوند کے ساتھ رہنا پر رضا مند نہیں؟ اگر وہ وجوہات ایسی ہیں جن کو تفریق کے لیے شریعت نے بھی معتبر مانا ہے تو انہی کو تفریق کی بنیاد قرار دیا جائے، اور اگر وجہ محض عدم پسندیدگی ہے، تو اس میں صورت میں خلع کا مشورہ دیا جائے، کیونکہ خلع کی بنیاد یہ ہے کہ بیوی کو خاوند سے اس قدر نفرت ہو جائے کہ وہ اب اس سے نباہ کرنے پر کسی قیمت پر رضا مند نہیں، خواہ وہ اس کے نان و نفقہ وغیرہ تمام حقوق واجبہ ادا کرتا ہو، تو شریعت نے عورت کو اس بات کی اجازت دی ہے کہ وہ کچھ مالی معاوضہ پیش کر کے خاوند سے آزادی حاصل کرے۔ (جیسا کہ ابتداء تحریر میں تعریفات سے واضح ہوا۔ جبکہ تعنت یہ ہے کہ خاوند بیوی کے حقوق واجبہ ادا کرنے میں کوتاہی کرتا ہے، باوجود اس کے کہ وہ نان و نفقہ ادا کرنے پر قادر ہے۔ تو اس صورت میں مالکیہ کے قول پر آخری درجے میں عدالت دو حکم مقرر کرے گی اور حکم مصالحت کی کوشش کریں گے اگر ان کوششوں میں کامیابی ہو جائے تو ٹھیک ورنہ خاوند کی مرضی و اجازت کے بغیر عدالت کو اس صورت میں تفریق کا حق حاصل ہو گا اور اس بات کے قائل متأخرین فقہاء احناف بھی ہیں۔[62]۔

اس بنا پر موجودہ عدالتوں سے یہ سفارش کی جاتی ہے کہ وہ خلع کی ڈگری جاری کرنے سے قبل کیس کی بنیاد معلوم کریں، اگر تو بنیاد "عدم پسندیدگی" ہے کہ عورت کا دعویٰ یہ ہے کہ وہ خاوند کو پسند نہیں کرتی تو عدالت پھر خلع کی بنیاد پر کیس کو دیکھے، اس صورت میں خاوند کی رضامندی و حاضری کے بغیر خلع نہیں ہو سکتا۔ لیکن اگر عورت کو کوئی مشکل و تنگی ہے، جس کی وجہ سے عورت خاوند کے ساتھ نہیں رہنا چاہتی، مثلاً، اسے نان و نفقہ نہیں ادا کرتا، یا شدید مار پیٹ کرتا ہے، (اور اکثر و بیشتر خلع کے کیسز میں ایسا ہی ہوتا ہے) اس صورت میں عدالت کیس کو "تعنت" کی بنیاد پر دیکھے اور تحقیق ہو جانے اور دعویٰ ثابت ہو جانے کے بعد خاوند کو خلع یا طلاق پر آمادہ کرے، ورنہ ان کے درمیان تفریق کر دے۔

مندرجہ بالا تفصیل سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ عدم پسندیدگی کی صورت میں خاوند کو خلع پر مجبور نہیں کیا جا سکتا ہے، البتہ اگر خاوند میں کوئی ایسے اسباب و اعذار پائے جائیں جو تفریق و تنسیخ نکاح کا سبب بنتے ہیں جیسا کہ خاوند کا بیوی کو اذیت دینا، اس کے شرعی حقوق واجبہ میں کوتاہی کرنا، یعنی متعنت ہونا کہ نہ عورت کو آباد کرتا ہے اور نہ آزاد کرتا ہے، یا شوہر کا نامرد ہونے کے باوجود عورت کو رہائی نہ دینا، یا شوہر کا لاپتا ہونا، یا مجنون ہونا، جس کی وجہ سے عورت سخت مشکلات سے دوچار رہتی ہے، تو ایسی صورتوں میں عدالت اس کو مجبور کر کے تفریق کروا سکتی ہے۔

This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License.

حوالہ جات (References)

1- چنانچہ سنن ابوداود میں ہے: ابغض الحلال الی اللہ تعالی الطلاق (أبو داود، سليمان بن الأشعث السِّجِسْتاني، المحقق: محمد محيي الدين عبدالحميد، المكتبة العصرية، صيدا- بيروت، 2 : 255، رقم: 2178، ابن ماجه، محمد بن يزيد أبو عبدالله القزويني، سنن ابن ماجه، دارالفكر، بيروت، تحقيق: محمد فؤاد عبدالباقي، ج1 : ص 659، رقم: 2018)

Abu Dawud ,al Sunan Hadith No: 2178, Ibn e Majah , al Sunan, Hadith No: 2018.

علامہ مرغینانیؒ نے "ہدایہ" میں وضاحت کی ہے: کہ اصلا طلاق دینا محظور و ممنوع ہے، البتہ سخت ضرورت کے وقت اسکی اجازت دی گئی ہے، لکھتے ہیں: "الاصل فی الطلاق ھوالحظر لمافیہ من قطع النکاح الذی تعلقت بہ المصالح الدینیۃ الدنیویۃ للحاجۃ" (ملاحظہ ہو: المرغيناني، علي بن أبي بكر بن عبدالجليل الفرغاني، أبوالحسن برهان الدين، الهداية في شرح بداية المبتدی، المحقق: طلال يوسف، دار احياء التراث العربي- بيروت لبنان، ج ۲ ص ۳۳۵،

See: Ali bin Abi Bakr bin Abd al-Jalil al-Farghani al-Marghinani, Abu al-Hasan Burhan al-Din, Al-Hidayah fi Sharh al Badayat al-Mubatdi, al-Muhaqiq: Talal Yusuf, Dar Ahyaya al-Trath al-Arabi - Beirut, Lebanon, vol. 2, p. 335.

اور علامہ ابن ھمامؒ لکھتے ہیں: الاصح حظرہ". (دیکھیں: ابن الھمام، کمال الدین محمد بن عبدالواحد السيواسي، شرح فتح القدير، دارالفکر، بیروت، ج ۲ ص ۱۴۶)

Kamal al-Din Muhammad bin Abd al-Wahid al-Sivasi known as Ibn al-Humam, Sharh Fath al-Qadir, Dar al-Fikr, Beirut, vol. 2, p. 146.

علامہ ابن قدامہؒ نے امام احمد بن حنبلؒ سے نقل کیا ہے کہ بلاضرورت طلاق دینا مکروہ یا حرام ہے، کیونکہ اس میں بلاوجہ

اپنے آپ کو اور بیوی کو تکلیف دینا ہے، لکھتے ہیں: الطلاق وھو علی خمسۃ اضرب.... ومکروہ وھو الطلاق من غیر حاجۃ.... وعنہ انہ محرم لانہ یضر بنفسہ وزوجتہ وقد قال ﷺ: لاضرر ولاضرار" (دیکھیے: ابن قدامۃ، أبو محمد موفق الدین عبداللہ بن أحمد بن محمد الحنبلي، الکافي في فقہ الامام أحمد، دار الکتب العلمیۃ، الطبعۃ: الأولی، 1414ھ - 1994م ج۲ ص۸۳۔

See: Abu Muhammad Muwaffaq al-Din Abd Allah bin Ahmad bin Muhammad bin Qudama al-Hanbali, al-Kafi fi Fiqh al-Imam Ahmad, Dar al-Kutub al-Ilamiyyah, Edition: 1, 1414 AH - 1994 AD, / 783.

2-سورۃ النساء:۳۵

al-Nisa':35

3-اسی امساک بمعروف کی شکل یہ ہے کہ طلاق یافتہ عورت کو خرچ وسامان یا کوئی گفٹ دیا جائے دلیل یہ آیت ہے: وَلِلْمُطَلَّقَاتِ مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ (البقرۃ:241).

4-الجوھری، أبو نصر إسماعیل بن حماد، الصحاح تاج اللغۃ وصحاح العربیۃ، تحقیق: أحمد عبد الغفور عطار، دار العلم للملایین، بیروت، الطبعۃ:4، 1407ھ - 1987م، ج۱، ص۱۸۲.

Abu Nasr Ismail bin Hammad al-Jawhari, Sihah Taj ul-Lagh w Sihah Al-Arabiyyah, Research, Darul 'lm, Beirut, Edition: 4, 1407 AH - 1987 AD, Vol. 1, p. 182

5-ابن منظور، محمد بن مکرم الأفریقي المصري، لسان العرب، دار صادر، بیروت، ج۸، ص۷۶

Ibn Manzur, Muhammad Ibn Makram al-Afriqi al-Masri, Lisan al Arab, Dar sadir, Beirut, 8/ 76.

6-الفیروز آبادی، مجد الدین أبو طاھر محمد بن یعقوب، القاموس المحیط، موسسۃ الرسالۃ للطباعۃ والنشر والتوزیع، بیروت، الطبعۃ: الثامنۃ، 1426ھ - 2005م، ج۲، ص۲۶۷

Majd al-Din Abu Tahir Muhammad bin Yaqoob al-Fayrouz abadi, Al-Qamus al-Muhit, Mussa al-Risalah for Printing and Publishing and Distribution, Beirut-Lebanon, Edition: 8th, 1426 AH - 2005 AD, 2,/ 267.

7-عبداللہ بن محمود بن مودود الموصلي، الاختیار لتعلیل المختار، مطبعۃ الحلبي—القاھرۃ، 1356ھ - 1937م،

ج3،ص.156

Abdullah bin Mahmud bin Maudud al-Mosali, al Ikhtiyar fi al Talil Al-Mukhtar, Matba' Al-Halabi - Cairo, 1356 AH - 1937 AD, 1/37

8-ابن ھمام، فتح القدیر، ج9، ص20۔

Ibn Hamam, Fath al-Qadir, vol. 9, p. 20

9-الکاسانی، ملک العلماء أبو بکر بن مسعود بن أحمد، علاء الدین،، بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، دار الکتب العلمیہ - بیروت – لبنان، الطبعة: الثانية، 1406ھ - 1986م، ج7، ص215

Abu Bakr bin Masoud bin Ahmad, al-Kasani, Bada'i al-Sana'i fi Tartib al-Shari'a, Dar al-Kutub al- Ilmiyyah - Beirut - Lebanon, Edition: Second, 1406 AH - 1986 AD, 7/ 215

10- ابن عابدين، محمد أمين بن عمر بن عبد العزيز الدمشقي الحنفي، رد المحتار على الدر المختار، دار الفكر - بيروت، الطبعة: الثانية، 1412ھ - 1992م، ج3، ص441.

Muhammad Amin bin Umar bin Abdulaziz Abidin al-Hanafi, Radd al-Muhthar Ala al-Durr al-Mukhtar, Dar al-Fikr-Beirut, E: 2nd, 1412 AH - 1992 AD, 3/ 441.

11-ابن رشد الحفيد، أبو الوليد محمد بن أحمد بن محمد، بداية المجتهد ونهاية المقتصد، دار الحديث – القاهرة، 1425ھ - - 2004 م، ج۲، ص ۵۵.

IBN Rushd al-Hafid ,Abu al-Walid ,Muhammad bin Ahmed bin Muhammad al-Qurtubi, , Bidayat al-Mujtahid wa Nihayat al-Muqtasid, Dar al-Hadith – Cairo, 1425 AH - 2004 AD, 2,/ 55.

12- نفس مرجع

Ibdi.

13- البقرة:۲۲۹

Al- Baqarah: 229

14-النساء:۴

Al- Nisa': 4

15-النساء:۳۵

Al- Nisa': 35

16- البغوي، محي السنة، أبو محمد الحسين بن مسعود بن محمد بن الفراء الشافعي، مختصر تفسیر البغوی المسمی ب معالم التنزیل ، تحقیق عبداللہ بن أحمد بن علي الزید، دار السلام للنشر والتوزیع، بیروت، 1993ھ- 1413ھ-ج۱، ص۲۷۱

Al-Baghawi, Abu Muhammad Al-Husayn bin Mas'ud , Ma'alim al-Tanzil, Dar al-Salam, Lebanon, 1993 AH – 1413 AH, 1/ 271.

اس حوالے سے دیگر معتبر مفسرین (مثلا: علامہ شوکانی اور امام رازی) کے اقوال بھی پیش ہیں۔

:علامہ شوکانیؒ نقل کرتے ہیں

وقرأحمزة إلا أن يخا فا، على البناء للمجهول والفاعل محذوف وهو الأئمة و والحكام واختاره أبوعبيد قال لقوله: فان خفتم فجعل الخوف لغير الزوجين---- ---------------وقد ضعف النحاس اختيار أبى عبيد المذكور وقوله فان خفتم الا يقيما حدودالله أى اذا خاف الأئمة والحكام أوالمتو سطون بين الزوجين -----(الشوكاني، محمد بن علي بن محمد اليمني، فتح القدير، دار ابن كثير، دمشق، بيروت، الطبعة: الأولى- 1414ھ-ج ۲، ص۲۷۱)

Al-Shawkani, Muhammad bin Ali bin Muhammad al-Yimani, Fateh al-Qadir, Dar Ibn Kathir, Damascus, Beirut, Edition: 1st , 1414 AH, Vol. 2, p. 271

:اور علامہ فخر الدین الرازیؒ بیان کرتے ہیں

فان قيل لمن الخطاب فى قوله: ولايحل لكم أن تأ خذوا، فان كان للأ زواج لم يطابقه قوله:فان خفتم ألا يقيما حدود الله، وان قلت :للأئمة والحكام فهؤ لاء لا يأ خذون من هذا شيئا للأ زواج و أخرها خطاباً للأ ئمة والحكام لأنهم هم الذين يأ مرون بالأ خذ والإيتاء عند التدافع اليهم، فكأ نهم هم الأ خذون والمؤتون---- الخ)

(الرازي، أبو عبد الله محمد بن عمر بن الحسن التيمي الرازي الملقب بفخر الدين، مفاتیح الغیب، التفسیر الکبیر، دار إحیاء التراث العربي

-بیروت،الطبعة:الثالثة- 1420ھ-،ج۳،ص۳۳۱).

al-Razi , Abu Abdullah Muhammad bin Umar bin Al-Hasan, Fakhr al-Din Mafatih al-Ghayb, al-Tafsir al-Kabir, Dar Ihya al-Tarath al-Arabi - Beirut, Edition: 3rd - 1420 AH, 3/ 331

17-واختار هذا الرأی ورجحه شيخ أشرف علی التهانوی، راجع: بیان القرآن تاج کمپنی، کراچی، ج۱، ص۷۵.

Thanawi, Bayan al Qur'an, Taj Company, Karachi, 1/75.

18-القرطبي، أبو عبد الله محمد بن أحمد بن أبي بكر الأنصاري الخزرجي شمس الدين، الجامع لأحكام القرآن، تحقيق: سمير البخاري، دار عالم الكتب، الرياض، السعودية، الطبعة: 1423ھ/2003م، ج۳، ص۱۳۸.

al-Qurtubi, Abu Abdullah Muhammad bin Ahmad bin Abi Bakr Shams al-Din, Al-Jami'i li Ahkam al -Qur'an, Dar 'Alam al-Kutub, Riyadh, Saudi Arabia, 1423 AH / 2003 AD, 3/ 138.

19-الجصاص، أحمد بن علي أبو بكر الرازي، أحكام القرآن، المحقق: عبد السلام محمد علي شاهين، دار الكتب العلمية بيروت– لبنان ط:1، 1994/1415م، ج1، ص478.

al-Jassas , Ahmed bin Ali Abu Bakr al-Rrazi, Ahkam al-Qur'an, Dar al-Kutub al-Ilamiyyah, Beirut-Lebanon, E: 1, 1415/1994 AD, 1/478.

20-ابن ھمام، فتح القدیر، ج4، ص215.

Ibn u Humam, Fath al-Qadir, 4 /215.

21-عثمانی، مفتی محمد تقی، اسلام میں خلع کی حقیقت، ضمیمہ الحیلۃ الناجزۃ، دار الاشاعت، کراچی ص ۲۱۳.

Usamani, Mufti Muhammad Taqi, Islam my Khula' ki Haqiqat . Addendum of Al-Hailat-ul-Najizah, Dar al-Isha'at, Karachi, p. 213.

22-جمہور کے ہاں تو پانچ اور احناف کے نزدیک بنیادی دو رکن ہیں اور وہ ہے ایجاب و قبول، اور یہ اختلاف صرف ظاہری یا لفظی ہے، جس سے ہمارے ذکر کردہ موقف کے حوالے سے نتیجہ مختلف نہیں۔ تفصیل کے لئے: الموسوعۃ الفقھیۃ الکویتیۃ، ج19 ص244.

Al-Mawsuw’ah Al-Fiqhiyyah al-Kuwaytiyyah, 19/ 244.

والزحيلي، وهبة، الفقه الإسلامي وأدلته، دار الفكر، دمشق، الطبعة: الرّابعة، ج9 ص457.

23-السرخي، محمد بن أحمد بن أبي سهل شمس الأئمة، المبسوط، دار المعرفة، بيروت، الطبعة: بدون طبعة، 1414ھ–1993م، ج٦، ص١٧٣.

Al-Sarakhsi, Al-Masbut, 6/173.

24-ابن عابدین، رد المحتار مع الدر المختار، ج ۲، ص ۶۰۶

Ibn Abidin, Al-Dur al-Mukhtar ma’ Rad al-Muhtar, 2/ 606.

25-القرطبي، أبو الوليد سليمان بن خلف بن سعد بن أيوب الباجي الأندلسي، المنتقى شرح الموطا، مطبعة السعادة - بجوار محافظة مصر، الطبعة: الأولى، 1332ھ- ج۷، ص ۶۱.

Abu Al-Walid Sulaiman bin Khalaf al-Qurtubi al-Baji al-Andalusi, Al-Muntaqa Sharh al-Mu’ta, Matba’ah Al Sa’adah ,Egypt, Edition: 1, 1332 AH, 7/ 61.

26- ابن قدامة أبو محمد موفق الدين عبد الله بن أحمد بن محمد، المغني، مكتبة القاهرة، 1388ھ - 1968م، ج۷، ص ۵۲،

Ibn Qudamah,Abu Muhammad Moafaq al-Din Abd Allah bin Ahmed bin Muhammad, al-Mughni, Maktabah al Qahirah,1388 AH - 1968 AD, 7/ 52.

وراجع: ابن القيم الجوزية، محمد بن أبي بكر بن أيوب بن سعد شمس الدين، زاد المعاد في هدي خير العباد، مؤسسة الرسالة، بيروت، الطبعة: 27، 1415ھ- /1994م، ج۲، ص ۲۳۸.

And See : Ibn al Qayyim al-Jawziyyah, Muhammad bin Abi Bakr bin Ayyub bin Saad Shams al-Din, Zad al-Ma’ad fi Hadyi Khayr al-Ibad, Mu’saat al-Risalah, Beirut, Edition: 27, 1415 AH / 1994 AD, 2/238.

27-اقالہ ایک فقہی اصطلاح ہے اور وہ ہے: "تراضي المتعاقدين فيما بينهما على فسخ العقد" جس کا مطلب ہے فریقین کا باہمی رضامندی سے کسی عقد (CONTRACT) کو ختم کردینا۔ انظر: المبسوط للسرخسي، ج ۱۱، ص ۲۱۱، حاشية الشرواني على تحفة

المحتاج، ج ۴، ص ۱۷۷۔

28-الشافعي، محمد بن إدريس، الأم، المحقق: رفعت فوزي عبد المطلب، دار النشر: دار الوفاء، الطبعة: الأولى، 2001م، ج ۵، ص ۲۰۰.

Al-Shafi'i ,Muhammad bin Idris, al Umm, Dar al-Wafa', E: 1st, 2001, 5 /200.

29- ابن حزم الظاهري، أبو محمد علي بن أحمد بن سعيد، المحلى بالآثار، دار الفكر، بيروت، الطبعة: بدون طبعة وبدون تاريخ، ج ۱۰، ص ۲۳۵

Ibn Hazm al-Zahiri ,Abu Muhammad Ali bin Ahmed bin Saeed, Al-Muhalla, Dar al-Fikr, Beirut, 10/ 235

30-ابن تیمیہؒ، مختصر الفتاوی المصریۃ لابن تیمیۃ، محمد بن علي بن أحمد البعلي، دار الکتب الاسلامیۃ لاہور، ج ۱ ص ۴۴۳ .

Ibn Taymiyyah, Mukhtasar Al-Fatawa al-Misriyyah by Ibn Taymiyyah, Muhammad bin Ali bin Ahmed bin Umar bin Ya'li al-Baali, Dar al-Kutub al-Islamiyyah Lahore, 1/443.

31-حافظ عمران ایوب (مرتب) فتاوی نکاح وطلاق، تحقیق وتعلیق: ناصر الدین الألبانی، سلسلہ فتاوی عرب علماء (۴)، فقہ الحدیث پبلی کیشنز، لاہور، ج 1، ص ۴۵۹.

Fatawa on marriage and divorce, arranged by Hafiz Imran Ayub, research By : Nasir al-Din al-Albani, Series of fatawa of Arab scholars (4), Fiqh al-Hadith Publications, Lahore, 1/459.

32- عثمانی، مفتی محمد تقی، اسلام میں خلع کی حقیقت، ضمیمہ رسالہ الحیلۃ الناجزۃ، ص ۲۱۰

Usmani, Mufti Muhammad Taqi, Islam my Khula' ki Haqiqat , Supplement to Risalah Al-Hailah al-Najizah, p. 210.

33- سید سابق، فقہ السنۃ، دار الکتاب العربي، بیروت، لبنان، الطبعة: الثالثة، 1397ھ - 1977 م، ج ۲، ص ۲۹۹.

Sayyed Sabiq , Fiqh al-Sunnah, Dar al-Kitab al-Arabi, Beirut, Lebanon, Edition: 3rd , 1397 AH - 1977 AD, 2/ 299.

34- الزحیلی، الفقہ الإسلامی وأدلتہ، ج ۷، ص ۵۶۷.

al-Zuhayli,Wahbah, Fiqh al-Islami wa Adillatuh, Dar al-Fikr, Damascus, Edition: 4th , 7/ 567

35- رحمانی، خالد سیف اللہ، جدید فقہی مسائل، قاضی پبلی کیشنز، نئی دھلی، ج ۲، ص ۱۹۲.

Rahmani, Khalid Sayfullah, Jadid Fiqhi Masail, Qazi Publications, New Delhi,.2/192.

36- القادری، علامہ ڈاکٹر محمد طاہر: سلسلہ تعلیمات اسلام ۹، نکاح وطلاق، منہاج القرآن پبلی کیشنز، لاہور، ط: ۱، 2015، ص.343

Al-Qadri, Allama Dr. Muhammad Tahir: Series of Islamic Teachings 9, Nikah and Talaq, Minhaj-ul-Quran Publications, Lahore, E. 1, 2015, p. 343.

37-سعیدی علامہ غلام رسول، تبیان الفرقان، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، طبع: اول، مئی 2015، ج 1، ص 518۔

Saidi Allama Ghulam Rasul, Tabiyan al-Furqan, Zia-ul-Qur'an Publications, Lahore, Edition: 1st, May 2015, Vol. 1, p. 518.

بندہ کی رائے ہے کہ علامہ صاحب کی یہ رائے خلع کے بارے میں نہیں، بلکہ تنسیخ نکاح کے بارے ہے اور علامہ صاحب کی خلع کے بارے میں مختلف ہے جو مندرجہ ذیل ہے: "اس حدیث کی روشنی میں یہ ہونا چاہیے کہ جب کسی عورت کو کسی طبعی ناہمواری کی وجہ سے شوہر ناپسند ہو اور یہ نفرت اس قدر بڑھ جائے کہ وہ اس نفرت کی وجہ سے شوہر کے حقوق ادا نہ کرسکے تو پھر وہ قاضی اسلام سے رجوع کرے اور قاضی مہر واپس کرکے شوہر سے طلاق دلادے یاد رہے کہ یہاں قاضی شوہر سے طلاق دلوائے گا از خود نکاح فسخ نہیں کرے گا"۔(نفس مرجع)

38-البخاری، الجامع الصحیح، حدیث نمبر: 5273، باب الخلع وکیف الطلاق فیہ، ج 7، ص 46.

Bukhari : al Jami' al Sahih: Hadith No: 5273.

39- سنن ابي داؤد،، حدیث نمبر: 2227،2228، سنن النسائی، حدیث نمبر: 3462،3463، سنن ابن ماجہ، حدیث نمبر: 2057، البیھقی أبو بکر أحمد بن الحسین بن علي، السنن الکبریٰ، مجلس دائرۃ المعارف النظامیۃ الکائنۃ في الھند بلدۃ حیدر آباد، الطبعۃ: الأولی- 1344 ہ، ج 7، ص 512، حدیث نمبر: 14857و الدارقطني، أبو الحسن علي بن عمر بن أحمد البغدادي،

السنن، مؤسسة الرسالة، بيروت، الطبعة: الأولى، 1424 هـ - 2004 م، ج4ص376.

Sunan Abi Dawud, Hadith No.: 2227, 2228, Sunan Al-Nasa'i, Hadith No.: 3462, 3463, Sunan Ibn Majah, Hadith No.: 2057, Al-Bayhaqi, Sunan Al-Kubra, Hadith No: 14857, Vol.7, p. 512, and Sunan Al-Dar Qutni , Vol. 4 p. 376.

40-الطبراني، أبو القاسم، **المعجم الكبير**، المحقق: حمدي بن عبد المجيد السلفي، دار النشر: مكتبة ابن تيمية – القاهرة، ط:2، ج:6، ص:103 .

Al-Tabrani, Abu Al-Qasim, Al-Mu'jam al-Kabir, Dar al-Nashar, Cairo, E:2nd,.6/103.

41- العسقلاني، أحمد بن علي بن حجر أبو الفضل الشافعي، **فتح الباري شرح صحيح البخاري**، دار المعرفة - بيروت، 1379 ، ج٩، ص٣٩٩۔

Al-Asqalani, Ahmad bin Ali bin Hajar, Fath al-Bari Sharh Sahih al-Bukhari, Dar al-Ma'rifah - Beirut, 1379, 9/ 399.

42- العسقلانی أحمد ابن حجر، **فتح الباری**، ج9، ص400 .

Al-Asqalani Ahmad Ibn Hajar, Fateh al-Bari, vol. 9, p. 400

اور ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں: امر استصلاح وارشاد الی ماھو الاصوب، لا ایجاب والزام بالطلاق"، ملا علی القاریؒ علي بن (سلطان) محمد، أبو الحسن نور الدين، **مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح**، دار الفكر، بيروت، الطبعة: الأولى، 1422ھ - 2002م ،ج١٠ص٢٠٨۔

Mulla Ali al-Qari, Mirqat al-Mafatih Sharh Mishkaat al-Masabih, vol. 10, p. 208.

43-الشوكاني، محمد بن علي بن محمد بن عبد الله اليمني، نيل الأوطار، تحقيق: عصام الدين، دار الحديث، مصر، الطبعة: الأولى، 1413ھ - 1993م، ج١٠ص٢٩٢.

al-Shawkani, Muhammad bin Ali bin Muhammad bin Abdullah al-

Yamani, Nayl al-Awtar, Dar al-Hadith, Egypt, edition: 1st, 1413 AH - 1993 AD, 10 /292.

44- ابن بطال أبوالحسن علي بن خلف بن عبدالملك البكري القرطبي، شرح صحیح البخاری- لابن بطال، دار النشر: مكتبة الرشد-السعودية/الرياض-الطبعة: الثانية، 1423ھ- - 2003م، ج۱۳، ص۴۲۹.

Ibn Battal Abu al-Hasan Ali bin Khalaf bin Abd al-Malik ,al-Bakri al-Qurtubi, Sharh Sahih Al-Bukha, Dar al-Nashar , 1423 AH - 2003 AD, Edition:2nd , 13/ 429.

45-ابن ھمام، فتح القدیر، ج۹، ص۲۷.

Ibn Humam, Fath al-Qadir, vol. 9, p. 27.

46-الجصاص، احکام القرآن، ج۱، ص ۱۹۳۔

Al-Jasas ,Ahkam al Qura'n , 1/ 193.

آگے جاکر اس کی اور وضاحت کرتے ہوئے امام جصاص نے بیان کیا ہے کہ آپ ﷺ کے میاں بیوی سے استفسار کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر حاکم کو اس بات کی یقین دہانی کے بعد کہ یہ حدود اللہ کو قائم نہ رکھ سکیں گے خلع دینے کا یکطرفہ اور کلی اختیار ہوتا تو آپ علیہ السلام ان سے کبھی نہ پوچھتے اور نہ خاوند کو مخاطب کر کے فرماتے کہ "اس سے خلع کر لو" بلکہ اپنے طور پر ہی ان کے مابین خلع کا فیصلہ فرمادیتے اور مہر میں دیا گیا باغ واپس دلوادیتے، چاہے خاوند بیوی دونوں یا ان میں سے کوئی ایک انکاری ہوتا، چنانچہ لکھتے ہیں::

وقَوْلُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِامْرَأَةِ ثَابِتِ بْنِ قَيْسٍ أَتَرُدِّينَ عَلَيْهِ حَدِيقَتَهُ فَقَالَتْ نَعَمْ فَقَالَ لِلزَّوْجِ خُذْهَا وَفَارِقْهَا، يَدُلُّ عَلَى ذَلِكَ أَيْضًا لِأَنَّهُ لَوْ كَانَ الْخُلْعُ إلَى السُّلْطَانِ شَاءَ الزَّوْجَانِ أَوْ أَبَيَا إذَا عَلِمَ أنهما لا يقيمان حدود الله لم يسئلهما النبي صلى الله عليه وسلم عن ذلك وَلَا خَاطَبَ الزَّوْجَ بِقَوْلِهِ اخْلَعْهَا بَلْ كَانَ يَخْلَعُهَا مِنْهُ وَيَرُدُّ عَلَيْهِ حَدِيقَتَهُ وَإِنْ أَبَيَا أَوْ وَاحِدٌ مِنْهُمَا كَمَا لَمَّا كَانَتْ فُرْقَةُ الْمُتَلَاعِنَيْنِ إلَى الْحَاكِمِ لَمْ يَقُلْ لِلْمُلَاعِنِ خَلِّ سَبِيلَهَا بَلْ فَرَّقَ بَيْنَهُمَا كَمَا رَوَى سَهْلُ بن سعد أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَّقَ بَيْنَ الْمُتَلَاعِنَيْن".

دیکھئے: الجصاص، أحکام القرآن ج۲، ص۹۵۔

Al- Jassas, Ahkam al Qur'an,2/95.

47-الباجی، ابوالولید سلیمان بن خلف المالکی، المنتقی شرح الموطا، مطبعۃ السعادۃ، مصر، ۱۳۳۲ھ، ج۴ ص۶۱

Al-Baji, Abu al-Walid Sulayman bin Khalaf al-Maliki, al-Muntaqa Sharh al-Mu'ata, Mutba'ah al-Saadat, Egypt, 1332 AH, vol. 4 p. 61

48-ابن ماجہ، سنن، ج۱، ص ۶۶۳، حدیث نمبر ۲۰۵۷

Sunan Ibn Majah, Ja, p. 663, Hadith No. 2057.

49-بقیہ حدیث سہل بن أبی حثمہ، احمد بن حنبلؒ، مسند الامام احمد بن حنبل، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، ۱۹۹۹-۱۴۲۰، ص ۱۸، ج ۲۶.

Ahmad bin Hanbal, Musnad al-Imam Ahmad bin Hanbal, Mua'ssasah al-Risalah, Beirut, 1999, 1420, 18/ 26.

50-راجع: تعلیق محمد فواد عبد الباقی علی ابن ماجہ ج ۱ ص ۶۶۳.

See : Ta'liq Muhammad Fawad Abdul Baqi on Ibn e Majah ,1/ 663.

حدیث معنعن:

اگر کوئی کسی کے حوالے سے حدیث روایت کرتے ہوئے روایتی تعبیریں، ((حدثنی وحدثنا وأخبرنی وأخبرنا۔)) اس نے مجھ سے حدیث بیان کی، یا اس نے ہم سے حدیث بیان کی، یا اس نے مجھے خبر دی، یا اس نے ہمیں خبر دی استعمال کرنے کے بجائے "عن فلان" فلاں سے روایت ہے، کی تعبیر اختیار کرے تو علوم الحدیث کی اصطلاح میں اس فعل کو "عنعنۃ" اور اس طریقے سے روایت کی جانے والی حدیث کو "معنعن" کہتے ہیں، یعنی بذریعہ "عن" روایت کی جانے والی حدیث۔

بذریعہ "عن" روایت کی جانے والی حدیث اپنے ثبوت میں روایتی تعبیروں کے ذریعہ روایت کی جانے والی حدیثوں سے قدرے مختلف ہے جس کی تفصیل یوں ہے:

۱۔ اگر راوی ثقہ ہے اور اس کے اور مروی عنہ کے درمیان "معاصرت" کے علاوہ ملاقات بھی ثابت ہے، چاہے ایک ہی بار سہی تو بذریعہ "عنعنہ" روایت کی جانے والی حدیثیں "متصل الاسناد" ہی باور کی جائیں گی۔

حافظ ابن صلاح نے "حدیث معنعن" کے بعض علمائے حدیث کے نزدیک مرسل یا منقطع قرار دیے جانے کا ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے:

"صحیح بات جس پر عمل ہے یہ ہے کہ یہ حدیث اس حدیث کی مانند ہے جس کی سند متصل ہو یہی تمام محدثین اور غیر محدثین

کا مسلک ہے اور صحیح حدیث کی شرائط وضع کرنے والوں نے اپنی تصنیفات میں اس حدیث کو "متصل الاسناد" ہی کی حیثیت سے درج کیا ہے اور اس کو قبول کیا ہے، بلکہ حافظ ابو عمر بن عبد البر نے اس پر ائمہ حدیث کے اجماع کا دعویٰ کیا ہے، اور حافظ ابو عمرو دانی مقری کا بھی یہ دعویٰ ہے کہ "اہل نقل" کا اس پر اجماع ہے، بشرطیکہ جن راویوں کی طرف "عنعنہ" کی نسبت کی گئی ہے وہ آپس میں ایک دوسرے سے مل چکے ہوں اور "تدلیس" کے عیب سے پاک رہے ہوں۔

51-العسقلانی، ابن حجر، الدرایۃ فی تخریج احادیث الھدایۃ، دار المعرفۃ، بیروت، طبع غیر معلوم، ج ۱ ص ۱۱۷، اور "مصباح الزجاجۃ فی زوائد ابن ماجۃ" میں ہے : "ھذا اسناد ضعیف بتدلیس الحجاج وھو ابن ارطاۃ رواہ الامام احمد فی مسندہ الخ (الکنانی، احمد بن ابی بکر، مصباح الزجاجۃ فی زوائد ابن ماجۃ، دار العربیۃ، بیروت ۱۴۰۳، ج ۲ ص ۱۲۸)

اور علامہ ہیثمیؒ، زیلعیؒ، بوصیریؒ اور بخاریؒ وغیرہ محدثین نے بھی حجاج کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ مدلس اور ضعیف ہیں- دیکھیے: الھیثمی، نور الدین، مجمع الزوائد و منبع الفوائد، مکتبۃ القدسی، ۱۴۱۴ھ، ج ۱ ص ۲۶۰۱- والزیلعی، جمال الدین ابو محمد عبد اللہ بن یوسف، نصب الرایۃ فی احادیث الھدایۃ، مؤسسۃ الریان، بیروت، ۱۹۹۷، ج ۱ ص ۸۵- ابن حجر احمد بن علی بن محمد، تلخیص الحبیر فی تخریج احادیث الرافعی الکبیر، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۴۱۹ھ، ج ۱ ص ۵۰۶

52-دیکھیے: البیھقی، السنن الکبری، ج7، ص514.

See: Al-Bayhaqi, Sunan Al-Kubra, vol. 7, p. 514.

53- نفس المرجع

Ibdi

54- نفس المرجع

Ibdi

55- نفس المرجع ص516

Ibdi,P:516

56-الدار قطني، السنن، ج3 ص254.

Ali bin Umar Abu al-Hasan al-Darqutni al-Baghdadi, Sunan al-Darqutni, Dar al-Marfa'a - Beirut, 1386 – 1966, vol. 3 p. 254

57-النسائي، أبو عبد الرحمن أحمد بن شعيب بن علي الخراساني، السنن الصغرى، تحقيق: عبد الفتاح أبو غدة، مكتب المطبوعات الإسلامية- حلب

الطبعة: الثانية، 1406 – 1986، ج6ص186. حكم الألباني: صحيح.

- Al-Nasa'i, Abu Abd al-Rahman Ahmad bin Shuaib bin Ali al-Khorasani, Sunan al-Sughra, Maktab al Matbu'at al Islamiyyah, Halb, Edition: 2nd , 1406 – 1986, Vol. 6 p. 186.

58-الدارقطني، السنن، ج3ص173

- Al-Darqutni, al Sunan ,Volume 3 p. 173

59- النساء:١٩

Al-Nnisa': 19

60- صحیح مسلم: حدیث نمبر1469۔

Sahih Muslim: Hadith No. 1469

61-القرطبی، الجامع لاحکام القرآن، ج۵ص۹۸۔

- Al-Qurtubi, Al-Jami Li Ahkam al-Qur'an, Volume 5, p. 98

62- تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، تھانویؒ، الشیخ اشرف علی، "الحیلۃ الناجزۃ" ۔

- For details, see, "Al-Hailat-ul-Najizah", by Sheikh Ashraf Ali Thanawi.